قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ (القرآن)

اسرار الصلوٰۃ

شہید ثانی اعلی اللہ مقامہ

مترجم

علامہ محمد حسن جعفری

مکتبہ آوازِ حق ڈیرہ غازیخان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (القرآن)

اسرار الصلوٰۃ

تالیف :- شیخ الاسلام رئیس الفقہاء

الزاہد العابد الشیخ زین الدین بن علی بن احمد الشامی

المعروف شہید ثانی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ :- علامہ محمد حسن جعفری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف کتاب

نام کتاب :- "اسرار الصلواۃ"

تالیف :- شیخ الاسلام رئیس الفقہا زین الملت الشیخ زین الدین بن علی بن احمد الشامی العاملی المعروف شہید ثانی اعلی اللہ مقامہ

ترجمہ :- علامہ محمد حسن جعفری

تاریخ اشاعت :- جولائی 1996ء

تعداد :- 1000

ایڈیشن :- اول

ناشر :- مکتبہ "آوازِ حق" ڈیرہ غازیخان

کمپوزنگ :- علی گرافکس بلاک ایکس ڈیرہ غازیخان۔ فون: 65594

پرنٹنگ :- سوزو آرٹ پریس۔ ڈیرہ غازی خان۔ فون: 62666

عناوینِ کتاب

شہید ثانی ایک نظر میں

کتاب ہذا حضرت شہید ثانی اعلی اللہ مقامہ کی تالیف ہے ۔

اسی لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مصنف علام کے متعلق چند سطور تحریر کی جائیں ۔

آپ کا نام نامی زین الدین ابن علی بن احمد بن محمد بن علی بن جمال الدین جبعی العاملی ہے ۔

آپ نے ایک علمی گھرانے میں آنکھ کھولی ۔

آپ کے آباء و اجداد اپنے دور کے مشہور علماء تھے لیکن خداوند عالم نے آپ کو وہ علمی مقام عطا فرمایا کہ آج ان کا تعارف آپ ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے ۔

صاحب روضات الجنات فرماتے ہیں کہ آپ کا وجود عطیہ الہی تھا اور ہمارے دور تک آپ جیسا عالم ابھی کوئی پیدا ہی نہیں ہوا ۔ آپ کی پوری زندگی اطلبوا العلم من المهد الی اللحد کی جیتی جاگتی تصویر تھی ۔

آپ کے مشائخ میں درج ذیل علماء کا نام سرفہرست ہے ۔

۱۔ السید حسن بن السید جعفر الموسوی الکرکی صاحب المحجۃ البیضاء

۲۔ الشیخ علی بن عبدالعالی المیسی ۔

۳۔ الشیخ احمد بن جابر سے "الشاطبیہ" اور قراءت نافع ، ابن کثیر ، ابی عمرو اور عاصم کی تعلیم حاصل کی ۔

۴۔ الشیخ عبدالقادر بن ابی الخیر الغزی ۔

۵۔ ملا حسین الجرجانی سے شرح التجرید مع حاشیۃ الدوانی اور علم ہندسہ کی تعلیم حاصل کی ۔

۶۔ ملا محمد استر آبادی سے "مطول" اور شرح جامی پڑھی۔

۷۔ ملا محمد الجیلانی سے معانی و منطق کے دروس لیئے۔

۸۔ شیخ شہاب الدین بن بخار الحنبلی۔

۹۔ شیخ ابوالحسن البکری سے فقہ و تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔

۱۰۔ شیخ زین الدین الجرمی المالکی سے "الفیہ ابن مالک" کی تعلیم حاصل کی۔

۱۱۔ شیخ محقق ناصر الدین الملقانی سے علوم عقلیہ و عربیہ کے ساتھ ساتھ تفسیر بیضاوی کا درس لیا۔

ان مشاہیر علماء کے علاوہ آپ کے مشائخ میں شیخ عمیرہ اور شیخ شہاب الدین عبدالحق اور شیخ شہاب الدین البلقینی شامل ہیں۔

آپ نے جن شیعہ علماء سے کسب فیض کیا ان کے نام ہم بطور تبرک لکھے دیتے ہیں۔

۱۔ شیخ احمد بن خاتون العاملی۔

۲۔ صاحب مدارک کے والد ماجد سید نورالدین حسین الموسوی۔

۳۔ سید علی بن ابی الحسن الموسوی۔

۴۔ العالم العابد الفقیہ سید علی بن حسین بن محمد المعروف صائغ الحسینی۔

۵۔ شیخ حسین بن عبدالصمد آپ شیخ بہائی کے والد تھے۔

۶۔ شیخ علی بن زہرہ۔

۷۔ شیخ محمد بن حسین الملقب بالحر العاملی المشغری۔ موصوف شہید ثانی کے سسر بھی تھے۔ اور انہوں

نے ہی آپ کے اجتہاد کا اعلان فرمایا تھا۔

۸۔ سید نور الدین بن سید فخرالدین دمشقی کے علاوہ بھی بہت سے اعاظم علماء سے آپ نے کسب فیض کیا۔

اور اللہ تعالی کی عطا کردہ ذہانت اور اپنی محنت و پاکبازی کی وجہ سے آپ یکتائے روزگار شخصیت بن گئے۔ اور تمام مروجہ علوم میں آپ کو حرف آخر مانا جانے لگا۔ اور آپ نے بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں جن میں سے شرح لمعہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔

آپ کی شہادت

قاضی صیدا آپ سے حسد رکھتا تھا اور اس کی کوشش رہتی تھی کہ آپ کو شہید کرا دیا جائے۔ اس نے سلطان ترکی کو جو کہ ایک متعصب العقیدہ شخص تھا۔ آپ کے خلاف مسلسل خط لکھ کر برانگیختہ کیا۔ سلطان ترکی نے آپ کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے۔ چنانچہ آپ کو مکہ مکرمہ میں ہی گرفتار کیا گیا اور ایک ماہ دس دن آپ مکہ میں ہی قید رہے بعدازاں بحری راستہ سے آپ کو لے جا رہے تھے کہ راستے میں ان ظالموں نے آپ کو شہید کر دیا اور جسد شریف کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔ اور یوں آپ نے شہادت پائی اور بزم علماء میں شہید ثانی کے نام سے موسوم ہوئے۔

عجب رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

انتساب

ہم اپنی اس قلیل ترین مساعی کا انتساب امام چہارم حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے نام کرتے ہیں اور ان سے فیضان نظر کے امیدوار ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں۔

وجئنا ببضاعة مزجٰة فاوف لناالکیل

و تصدق علینا ان اللہ یجزی المتصدقین

تشکر و امتنان

ہادیان دین علیہم السلام کا ارشاد ہے جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

اسی لیئے ادارہ آواز حق جناب ناصر ین صاحب اور ان کے خاندان کے بزرگوں کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ جن کی مساعدت سے ہم یہ رسالہ آپ تک پہچانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم انہیں اور ان کے عزادار خاندان کو دین و دنیا کی سعادت نصیب فرمائے اور آفات ارضی و سماوی سے انہیں محفوظ رکھے۔

ع۔ این دعا از من و از جملہ جہاں امین باد۔

تمام قارئین کرام سے بھی ہم اپیل کرتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر ان کے بزرگوں مرحوم و مغفور حاجی محمد رمضان و مرحوم مغفور باؤ منظور حسین و مرحوم مغفور قاضی خیر محمد نور اللہ مراقدھم کو ایصال ثواب فرمائیں۔

اور مذکورہ مومنین کے ساتھ مترجم کے والدین کے لیئے بھی سورۃ فاتحہ ضرور پڑھیں۔

علاوہ ازیں ادارہ ہذا جناب احمد علی خان کھوسہ کی مالی اعانت کا بھی شکر گذار ہے اور قارئین کرام سے ان کے والد مرحوم جناب مولوی گل محمد خان کھوسہ اور ان کی اہلیہ مرحومہ کے لئے سورہ فاتحہ کی اپیل کی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرِ حرف

الحمد للہ المطلع من اختار من عبادہ الابرار علی حقائق الاسرار و المودع قلوب اصفیائہ من لطائف المعارف ماتحارفیہ البصائر و الابصار و جاعل القلوب سبیاللنجاۃ و موضعاللمناجات و المباد و ذریعتہ الی ارتفاع الدرجات و تفاوت مراتب العبادات فی قبول طوالع الانوار من مطالع المسار و فتح بمفاتح الغیوب اقفال القلوب عمن شاء و اختار و رفع حجب السرائر و جلا البصار البصائر فنصبت الاشارات و رفعت الاستار فدھشت فی مبادی اشراق نورہ الاحداق و الانظار و الصلواۃ علی نبیہ و جبیہ و معدن سرہ محمد النبی المختار و علی الہ الائمۃ الابرار و صحبہ الاخیار صلاۃ دائمۃ بدوام اللیل و النہار

امابعد :-

اہل علم پر یہ حقیقت واضح ہو کر روح سعادت و روح عبادت اور اس کی قبولیت اور اس کے کئی گنا ثواب اور عالم غیب سے حصول فیوضات اور جنت کی عظیم نعمات کے حصول کا تمام تر دارومدار ان افعال و حرکات و سکنات پر ہے جنہیں دل کی گہرائیوں سے سر انجام دیا جائے ۔ کیونکہ یہی دل ہی ہے جو پوری طرح سے خداوند عظیم کی طرف مائل ہوتا ہے ۔ اور اسرار قدرت پر غور و فکر کرنا دل کا ہی وظیفہ ہے ۔ اور دل کا فرض ہے کہ پوری توجہ سے عبادات اسلامی اور بالخصوص نماز کے افعال و حرکات کی طرف متوجہ ہو ۔ کیونکہ نماز میں کبھی صدق و اخلاص کا اظہار ہے اور کبھی انقطاع و اختصاص پایا جاتا ہے اور کبھی خداوند بزرگ و برتر کی تکبیر و تمجید و ثناء و حمد ہے اور کبھی دعا و ابتہال ہے اور کبھی بارگاہ احدیت میں اظہار خضوع و خشوع ہے ۔ اور کبھی رب الارباب

سکے حضور اپنی ہستی کی نفی کرتے ہوئے سربسجود ہونے کی حالت ہے۔ اور کبھی کلمہ توحید اور عہد قدیم کا اقرار و تجدید عہد ہے۔

اگر نمازی پورے خلوص قلب سے نماز ادا کرے تو اس کی فکر صادق کے نتیجہ میں بہت سے دقیق حقائق کا انکشاف ممکن ہے۔ اور جب نماز صحیح طور پر ادا ہوگی تو وہ برائی و بے حیائی سے بچانے والی ثابت ہو گی جیسا کہ قرآن و حدیث میں بیان ہوا ہے۔ اسی لیئے ہر مکلف کا فرض ہے کہ پورے اقبال قلب کے ساتھ نماز ادا کرے اور اس کے اسرار پر غور و فکر کرے اور نماز کو اس کے جملہ آداب سے بجا لائے اگر خدا نخواستہ ایسا نہ ہوا تو نماز ایک بے روح جسم قرار پائے گی اور بے ثمر درخت اور بلا مقصد عمل ٹھہرے گی۔

چنانچہ ہم نے اسی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ مختصر سا رسالہ تحریر کیا ہے تاکہ اہل ایمان کو نماز کے اسرار و لطائف سے باخبر کیا جا سکے۔

یہ اسرار و لطائف ہمارے اپنے پیدا کردہ ہرگز نہیں ہیں بلکہ یہ حقائق جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ان کی اہل بیت طاہرین علیہم السلام سے مروی ہیں۔ اور علمائے کاملین رضوان اللہ علیہم کے بیان کردہ ہیں۔ لیکن چونکہ یہ اسرار و لطائف متفرق مقامات پر تھے اور ان سب پر مطلع ہونا بہت سے افراد کے لیئے مشکل تھا۔ اسی لیئے ہم نے انہیں یکجا کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اور ہم نے اس رسالہ میں نماز فریضہ اور نماز نافلہ کے اسرار و لطائف پر بحث کی ہے اور ہم نے اپنے اس رسالہ کا نام

التنبیہات العلیہ

علی وظائف الصلواۃ القلبیہ رکھا ہے۔ اور ہمارا یہ رسالہ ایک مقدمہ اور تین فصول اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مقدمہ تین مطالب پر مشتمل ہے۔

مقدمہ

مطلب اول :۔ تحقیق قلب ۔

ہمارے اس رسالہ میں تمام تر زور قلب پر دیا گیا ہے اسی لیئے لازمی ہے کہ دیکھیں کہ قلب کیا ہوتا ہے اور ہم لفظ قلب سے کیا مراد لے رہے ہیں ۔

مفہوم قلب

جاننا چاہیئے کہ لفظ قلب کا اطلاق دو معانی پر ہوتا ہے ۔

۱ ۔ صنوبری شکل کی گوشت کا ٹکڑا جو ہر جاندار کے بائیں پہلو میں ہوتا ہے اور جو ہر دم دھڑکتا رہتا ہے اور اندر کھوکھلا سا ہوتا ہے اور اس کے اندر سیاہ رنگ کا خون ہوتا ہے اور یہ قلب تمام اعضاء کا رئیس ہوتا ہے یہ روح کا منبع و معدن ہے ۔ اور یہ قلب تمام جانداروں میں موجود ہوتا ہے حتیٰ کہ مردہ جاندار میں بھی یہ صنوبری عضو موجود ہوتا ہے ۔ ہماری بحث کا تعلق اس عضو رئیس سے نہیں ہے ۔

۲ ۔ ایک لطیفہ روحانیہ ربانیہ ہے جس کا قلب انسانی سے ایک گونہ تعلق و ربط ہے ۔ اور اسی روحانی لطیفہ کو کبھی قلب کہا گیا ہے اور کبھی نفس اور کبھی اسے روح اور کبھی لفظ انسان سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

اور ہمارا مقصود بھی یہی قلب ہے اور یہی قلب ہی صاحب علم و ادراک ہوتا ہے ۔ اور اسی سے ہی خطاب ہوتا ہے اور اسی سے احکام شرعی کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور مطلوبہ وظیفہ سرانجام نہ دینے پر اسے سرزنش کی جاتی ہے اسی قلب کا قلب جسمانی سے گہرا ارتباط و واسطہ ہوتا ہے ۔ اور اس تعلق کے سمجھنے سے اکثر لوگ عاجز ہیں ۔

اس قلب حقیقی کا قلب محسوس سے وہی تعلق ہے جو " عرض " کا جسم سے اور وصف کا موصوف سے اور آلہ استعمال کرنے والے کا آلہ سے ہوتا ہے ۔ اور اس تعلق کو ہم سادہ الفاظ میں یوں ادا کر سکتے ہیں کہ قلب باطن کا قلب ظاہر سے وہی تعلق ہے جو مکین کا مکان سے ہوتا ہے ۔ اس مقام پر ہمیں قلب کی ماہیت کے متعلق زیادہ بحث

مطلوب نہیں ہے ورنہ ہم اپنے مقصد سے دور ہٹ جائیں گے۔

بہر نوع قرآن و سنت میں جہاں بھی لفظ "قلب" کا اطلاق ہوا ہے اس سے مراد یہی قلب باطنی ہے اور اس قلب باطنی کو کبھی سینہ میں دھڑکتے ہوئے قلب سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم کا فرمان ہے۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں لیکن وہ دل اندھے ہو گئے ہیں جو سینوں میں ہیں) قلب باطنی کو قلب جسمانی سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ ان کے درمیان ایک گہرا ربط ہے۔ قلب باطنی کا تعلق اگرچہ سارے بدن سے ہوتا ہے۔ لیکن اس کا براہ راست تعلق قلب جسمانی سے ہی ہوتا ہے۔

تو گویا قلب باطنی مکین ہے اور قلب جسمانی اس کا مکان ہے۔

اور قلب باطنی سلطان ہے اور قلب جسمانی اس کی مملکت ہے۔

اور قلب باطنی آقا ہے اور قلب جسمانی اس کا ایک کارندہ ہے۔

اور قلب باطنی سوار ہے اور قلب جسمانی اس کی سواری ہے۔

اس لیے بعض علماء نے قلب کی تشبیہ عرش سے اور سینہ کی تشبیہ کرسی سے دی ہے۔ اگرچہ یہ تشبیہ من کل الوجوہ جائز نہیں ہے البتہ من بعض الوجوہ درست ہے۔ قلب جسم کا بادشاہ ہے اس سلطنت میں قلب کا ایک لشکر ہے اس کے مددگار ہیں اور اس کے مخالفین بھی اسی سلطنت میں قیام پذیر ہیں۔ اور قلب میں روشنی اور تاریکی کو قبول کرنے کی بدرجہ اتم صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ اور قلب کی مثال ہم ایک آئینہ سے دے سکتے ہیں جو اپنے سامنے والی چیزوں کی شکل و صورت کا اچھی طرح ادراک کر سکتا ہے۔ اور مقابل چیزوں سے دور ہو کر تاریک ہونے کی بھی اس میں صلاحیت موجود ہے۔ بعض دفعہ آئینہ دل اتنا صاف و شفاف ہوتا ہے کہ اس میں حق کی تجلی کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور امر مطلوب کی حقیقت کا ماسبق از وقت انکشاف ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت رسول اکرم صلی

اللہ علیہ والہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے۔ اذا ارادالله بعبد خیراً جعل له واعظاً من قلبه (جب اللہ کسی بندہ سے بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس کے قلب کو اس کا واعظ بنا دیتا ہے)

اسی مفہوم کو آپؐ نے دوسری حدیث میں ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ من کان له من قلبه واعظ کان من الله علیه حافظ۔ (جس کا قلب اس کا واعظ ہو تو اللہ کی طرف سے اس پر نگران مقرر کر دیا جاتا ہے) اگر ہم قلب کی تاریکی کی مثال دینا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح سے ایک شیشہ پر مسلسل دھواں پڑتا رہے تو ایک وقت نوبت یہاں تک آپہنچے گی کہ شیشہ بالکل تاریک ہو جائے گا اور وہ کسی قسم کی روشنی کے انعکاس کے قابل نہیں رہے گا۔ اور جب دل تاریک ہو جائے تو پھر لطائف قدرت کا انعکاس ممکن نہیں رہتا اور ایسا شخص ذات حق سے محجوب قرار پاتا ہے اور دل کی اسی تاریکی کو قرآن مجید میں لفظ "طبع" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ أن لو نشآءُ أصبناهم بذنوبهم و نطبعُ علی قلوبهم فهم لایسمعون اگر ہم چاہتے تو ان کے گناہوں کی بدولت انکو مصیبت میں پھنسا دیتے (یہ لوگ ایسے ناسمجھ ہیں کہ گویا) ان کے دلوں پر ہم خود مہر کر دیتے ہیں پھر یہ لوگ کچھ نہیں سنیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے حق کی آواز نہ سننے کو (طبع) یعنی مہر کر دینے سے تعبیر کیا ہے۔ جب کہ تقویٰ کو آواز حق سننے سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ واتقوا الله واسمعوا واتقوا الله ویعلمکمُ الله۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور آواز حق کو سنو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اللہ تمہیں تعلیم دیتا ہے۔

ایک اور آیت میں ظلمتِ قلب کو لفظ "رین" یعنی زنگ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کلابل رانَ علی قلوبهم ما کانوا یکسبون۔ نہیں نہیں بات یہ ہے کہ لوگ جو اعمالِ بد کرتے ہیں۔ ان کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے دلوں پہ مہر ثبت ہو جاتی ہے اور آئینہ دل زنگ

آلود ہو جاتا ہے اور پھر وہ حق کے ادراک اور دین کی فہم کے قابل نہیں رہتا اور اس کے نتیجہ میں انسان آخرت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور دنیا کو ہی اپنے لیئے سب کچھ سمجھ لیتا ہے اور ایسے شخص کو امورِ آخرت کی اگر یاد دہانی بھی کرائی جائے تو بھی اس پر اثر نہیں ہوتا وہ نصیحت کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتا ہے۔ زنگ آلود دل میں یاد آخرت نہیں ٹھہر سکتی اور ایسا شخص توبہ کی طرف کبھی بھی مائل نہیں ہوسکتا

جب نفس امارہ کی وجہ سے دل تاریک ہو جاتا ہے تو اس کے لیئے انداز و عدم انذار یکساں ہو جاتا ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔ قَلبُ المُومِنِ اَجوَدُ فِيهِ سِرَاجٌ يَزهَرُ وَ قَلبُ الكَافِرِ اَسوَدُ مَنكُوسٌ ۔ مومن کا قلب صاف و شفاف ہوتا ہے اور اس میں ایک چراغ جلتا رہتا ہے اور کافر کا دل سیاہ اور الٹا ہوتا ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ان القلوب ثلاثة قلب منكوس لايعىٰ شيا من الخير وهو قلب الكافر و قلب فيه نكتة سوداء فالخير والشر يختلجان فايهما كان فيه غلبته غلبة و قلب مفتوح فيه مصابيح تزهر لايطفى نوره ۔ دل تین طرح کے ہیں ایک دل بالکل الٹا ہے جس میں نیکی کا گذر ہی نہیں ہوتا اور یہ کافر کا دل ہے۔ اور دوسرا دل وہ ہے جس میں ایک سیاہ نقطہ ہوتا ہے اس میں خیر و شر دونوں کی آمیزش ہوتی رہتی ہے اور اس دل پہ کبھی نیکی غالب آ جاتی ہے اور کبھی برائی غالب آ جاتی ہے اور تیسرا دل ایک کھلا ہوا دل ہے جس میں ہر وقت چراغ روشن رہتے ہیں۔ اور روز قیامت تک اس کا نور نہیں بجھ سکتا۔

آپ امام علیہ السلام کے فرمان کے اس حصہ پر توجہ فرمائیں کہ روز قیامت تک اس کا نور نہیں بجھ سکتا اس سے قلب جسمانی مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ وہ تو موت کے ساتھ ہی مر جاتا ہے لہذا اس سے مراد قلب جسمانی کی بجائے قلب باطنی ہے۔ ایک اور مقام پر امام محمد باقر علیہ السلام اپنے والد علیہ السلام سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ما عبدالاو فی قلبه نکتة بیضاء و ان اذنب ذنبا خرج فی النکتة نکتة سوداء فان تاب ذهب ذلک السواد وان تمادی فی الذنوب زاد ذلک السواد حتی یغطی البیاض فاذا غطی البیاض لم یرجع صاحبه الی خیر ابدا وھو قو تعالی کلا بل ران علی قلوبھم ماکانو ایکسبون و قال تعالی ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون۔

ہر شخص کے دل میں سفید نقطہ ہوتا ہے اگر وہ گناہ شروع کر دے تو وہ نقطہ سیاہ ہو جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کر لے تو سیاہی دور ہو جاتی ہے۔ اگر وہ گناہوں میں منہمک ہو جائے تو سیاہی کا دائرہ بڑھتے بڑھتے سفیدی کو ڈھانپ لیتا ہے اور جب سیاہی سفیدی کو مکمل ڈھانپ لے تو ایسا شخص اچھائی کی طرف کبھی بھی واپس نہیں آسکتا جیسا کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کلا بل ران علی قلوبھم ماکانو ایعملون۔ نہیں نہیں بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو اعمال بد کرتے ہیں، ان کا ان کے دلوں پہ زنگ بیٹھ گیا ہے۔

اللہ تعالی نے اہل تقوی کی یہ صفت بیان کی ہے۔

ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون۔ بے شک جو لوگ پرہیز گار ہیں انہیں جب بھی شیطان کا خیال چھو جاتا ہے تو چونک پڑتے ہیں۔ پھر فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ تو اللہ تعالی نے بتلایا ہے کہ قلب کی جلاء ذکر سے ہوتی ہے اور متقی ہی نصیحت حاصل کرنے والے ہوتے ہیں۔

تقوی، ذکر کا دروازہ ہے۔ ذکر، کشف کا دروازہ ہے اور کشف عظیم کامیابی کا دروازہ ہے

آپ کو جاننا چاہیئے کہ قلب ایک قلعہ کی طرح ہے اور ابلیس لعین ایک حملہ آور دشمن ہے جو اس قلعہ کو فتح کر کے اس پر اپنا قبضہ جمانا چاہتا ہے اور اس قلعہ کو دشمن کی یلغار سے بچانے کے لیئے ضروری ہے کہ قلعہ کے دروازوں کی سخت حفاظت کی جائے اور دشمن کے در آنے کے مقامات سے واقفیت حاصل کرنی چاہیئے۔ اس قلعہ دل کو شیطان کے قبضہ سے بچانے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تم خدا کے حضور عبادت کے لیئے کھڑے

ہو جاؤ تو یوں محسوس کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو یوں محسوس کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور جب تمہیں اس بات کا یقین ہو جائے گا تو اس یقین کی بدولت وہ تمام دروازے خود بخود بند ہو جائیں گے جہاں سے ابلیس کے در آنے کا امکان ہو گا اور اس لعین کے وساوس سے محفوظ ہو جاؤ گے ۔ اس صورت میں قلب کلیتاً اللہ کے حضور جھک جائے گا اور عبادت کے لیئے آمادہ ہو جائے گا ۔

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ۔ ان العبد اذا اشتغل بالصلاۃ جاء ہ الشیطان و قال لہ اذکر کذا اذکر کذا حتی یضل الرجل ان یدری کم صلی ۔ جب انسان نماز پڑھتا ہے تو شیطان اس کے پاس آکر کہتا ہے کہ فلاں چیز یاد کرو ۔ فلاں چیز یاد کرو آخر کار نمازی کو بھلا دیتا ہے کہ اس نے کتنی رکعات نماز پڑھی ہے ۔ تو معلوم ہوا کہ فقط زبان سے ہی ذکر خداوندی کرنے سے ابلیس لعین کو روکنا ممکن نہیں ہے اس کے لیئے دل کی عمارت کو تقوی سے آباد کرنا ضروری ہے اور دل کو جملہ صفات مذمومہ کی جڑی بوٹیوں سے پاک کرنا انتہائی ضروری ہے ۔ کیونکہ صفات مذمومہ ہی ابلیس کی مددگار اور اس کا لاؤ لشکر ہیں ۔ اس مقام پر یہ نکتہ ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ ابلیس کا زیادہ تر حملہ حالت ذکر اور عبادت میں ہی ہوتا ہے ۔ اسی لیئے تو اللہ تعالی نے فرمایا ۔ ان الذین اتقو اذا مسہم طائف من الشیطان تذکر و افاذا ھم میصرو ن ۔ بے شک جو لوگ پرہیز گار ہیں انہیں جب بھی شیطان کا خیال چھو جاتا ہے تو چونک پڑتے ہیں پھر فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ۔

یہ آیت متقین کے ساتھ مخصوص ہے ۔ آپ سے بھی گذارش ہے کہ آپ اپنے افضل اعمال یعنی نماز پر نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ ابلیس لعین حالت نماز میں آپ پر کس قدر حملہ آور ہوتا ہے اور حالت نماز میں کس طرح سے آپ کو بازاروں اور گلستانوں ، شہروں اور شہریاروں ، روز مرہ کے حساب کتاب اور مخالفین کے اعتراضات کے جواب دینے میں الجھا دیتا ہے ۔ ممکن ہے کہ ایسا بھی ہو کہ دنیا جہان کی بھولی بسری بات بھی آپ کو نماز میں ہی یاد آئے شیاطین کا یہ حملہ عام حالات میں نہیں ہوتا ۔ یہ حملہ اکثر نماز میں ہی ہوتا ہے ۔ ان حقائق کی وجہ سے اس امر کو تسلیم

کیلئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ مطلقا عبادت کی شکل و صورت سے شیطان کو نہیں بھگایا جا سکتا اور اگر آپ اس حالت میں اپنی نماز فریضہ ادا بھی کریں گے تو اس کی قدر و قیمت بارگاہ احدیت میں کیا ہوگی، اس کا اندازہ آپ خود ہی لگا سکتے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیطانی خیالات سے نجات حاصل کرنے کیلئے نماز کی ظاہری صورت ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے باطن کی صفائی کی طرف بھی توجہ دینی ضروری ہے ۔ باطن میں رچی بسی اوصاف ذمیمہ ابلیس کا لشکر ہیں ۔ اور جب تک آپ ابلیس کے لشکر سے چھٹکارہ حاصل نہ کر لیں گے اس وقت تک بیرونی دوا چنداں موثر ثابت نہ ہوگی ۔ جس طرح سے کوئی مریض دوا کے ساتھ ساتھ بدپرہیزی کرتے تو وہ دوا اس کے لیئے کبھی مفید ثابت نہیں ہو سکتی ۔

آپ کو چاہیئے کہ آپ لذت مناجات کے حصول کے لیئے سب سے پہلے اپنے دل کا تنقیہ کریں اور اسے رذائل سے صاف کریں اور اپنے قلب کو ہر طرح کی افراط و تفریط سے پاک کریں بعد ازاں آپ کا قلب فضائل سے متصف ہونے کے قابل بن سکے گا ۔ اور اس صورت میں آپ کے قلب کو ذکر الہی سے اطمینان نصیب ہو گا ۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

(آگاہ رہو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے) آپ اپنے قلب کی استقامت اور توجہ کو آزمانے کے لیئے ذکر الہی کو میزان بنا لیں ۔ اگر آپ کا دل ذکر الہی پہ اطمینان و سکون حاصل کرے تو آپ کو مبارک ہو ورنہ اس دل مردہ کو زندہ کرنے کی فکر کریں ۔ ا

دل کو زندہ کرنے کا ایک طریقہ امیر المومنین علیہ السلام نے حضرت امام حسن کو وصیت کرتے ہوئے یہ بیان فرمایا ، واحی قلبک بالموعظۃ اپنے دل کو نصیحت سے زندہ کرو ۔ خداوند عالم سے دعا ہے کہ بحق محمد و آل محمد ہمیں اور آپ کو استقامت قلب کی دولت سے سرفراز فرمائے ۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا و ھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ۔

مطلب دوم

اخلاص عمل

اللہ تعالیٰ نے جہاں قرآن مجید میں نمازیوں کی نجات پر نص فرمائی ہے اور ارشاد کیا ہے قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون (وہ اہل ایمان رستگار ہوئے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں)

وہاں نمازیوں کی ہلاکت کا بھی ذکر فرمایا ہے چنانچہ رب العزت کا فرمان ہے۔ فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون ۔ تو ان نمازیوں کے لیئے تباہی ہے جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔ اس آیت مجیدہ میں بالکل واضح کر دیا گیا کہ وہ نمازی اس لیئے مذمت کے قابل بنے ہیں کہ انہوں نے نماز میں غفلت کرنی شروع کی یا بالفاظ دیگر نماز کے معانی و مطالب سے غافل رہتے ہیں۔ واضح ہو کہ اس آیت مجیدہ میں تارکین صلاۃ کی مذمت نہیں بلکہ غافلین فی الصلواۃ کی مذمت کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے اعمال کی تصویر کشی ان الفاظ سے فرمائی ہے۔ والذین یؤتون ما اتوا و قلوبھم و جلتہ انھم الی ربھم راجعون ۔ اور وہ وہی ہیں (خدا کی راہ میں) جو کچھ ان سے بن پڑتا ہے دیتے ہیں اور پھر ان کے دلوں کو یہ کھٹکا لگا رہتا ہے۔ کہ انہیں اپنے پروردگار کے سامنے لوٹ کر جانا ہے۔ اس آیت میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سابقین الی الخیرات کی سخاوت کو بیان کرتے ہوئے ان کی قلبی کیفیت کو بھی ساتھ بیان فرمایا کہ جو دوعطا کے وقت ان کے دل لرز رہے ہوتے ہیں ان کے دل کا لرزنا حضور قلب کا مکمل ترین اظہار ہے۔

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ الصلواۃ میزان من وفی استوفی ۔ نماز ترازو ہے جس نے یہاں ترازو کو صحیح قائم کیا اسے قیامت کے دن میزان عدل سے بھی بھرپور حصہ ملے گا۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث ہے۔ اعبد اللہ کانک تراہ و ان لم تکن تراہ فانہ یراک ۔

اللہ کی یوں عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی امت کے دو افراد کی نماز کا موازنہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ان الرجلین من امتی یقومان فی الصلاۃ ورکوعھما و سجودھما و احد و امابین صلاتیھما مابین السماء و الارض۔ میری امت کے دو شخص نماز پڑھتے ہیں ان دونوں کا رکوع اور سجدہ بھی ایک ہوتا ہے لیکن دونوں کی نمازوں میں زمین و آسماں کا فاصلہ ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا اما یخاف الذی یحول وجھہ فی الصلاۃ ان یحول اللہ وجھہ وجہ حمار۔ کیا نماز میں منہ موڑنے والے شخص کو یہ ڈر نہیں ہے کہ اللہ اس کے چہرے کی جگہ گدھے کا چہرہ لگا دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دو رکعات مقبولہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ من صلی رکعتین و لم یحدث فیھما ذکرا بشی من الدنیا غفر اللہ لہ ذنوبہ۔ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اور دوران نماز دنیا کی کسی چیز کو یاد نہ کرے تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خالص عبادت کی فضیلت یوں بیان فرمائی۔ من حبس نفسہ فی صلاۃ فریضتہ فاتم رکوعھا و سجودھا و خشوعھا ثم مجد اللہ عزو جل وعظمہ و حمدہ حتی تدخل وقت صلاۃ فریضتہ اخری لم یقطع بینھما کتب اللہ لہ کاجر الحاج المعتمر و کان من اھل علیین۔ جو شخص اپنے آپ کو نماز فریضہ میں مصروف کرے اور اپنی نماز میں رکوع اور سجود اور خشوع مکمل طور پر بجا لائے پھر اللہ کی تمجید اور عظمت اور حمد کرے۔ مسجد کو نہ چھوڑے یہاں تک کہ دوسری فریضہ نماز کا وقت آجائے تو ایسے شخص کے لیئے اللہ تعالیٰ حج و عمرہ کرنے والے کا اجر لکھے گا اور ایسا شخص اہل علیین میں سے ہو گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نماز کی قبولیت و عدم قبولیت کے متعلق ارشاد فرمایا ان من الصلاۃ لما

يقبل نصفها و ربعها و ثلثها و خمسها الى العشر و ان منها تلف كما يلف الثوب الخلق فيضرب بها وجه صاحبها و انما لك من صلاتك ما اقبلت عليه بقلبك ۔ کبھی آدھی نماز قبول ہوتی ہے اور کسی کو چوتھائی اور کسی کی نماز کا پانچواں حصہ قبول ہوتا ہے اور قبولیت کی حد ۱/۱۰ حصہ تک بھی ہوتی ہے اور کچھ نماز ایسی ہوتی ہے جسے پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ دیا جاتا ہے اور پھر اسے پڑھنے والے کے منہ پر مار دیا جاتا ہے یاد رکھو تمہاری نماز کا وہی حصہ مقبول ہے جو تم نے حضور قلب سے ادا کیا ہے ۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ اذا قام العبد المومن فی صلاته نظر الله اليه او قال اقبل الله عليه حتى ينصرف واظلته الرحمة من فوق راسه الى افق السماء و الملائكة تحفه من حوله الى افق السماء ووكل الله به ملكا قائماً على راسه يقول ايها المصلى لو تعلم من ينظر اليك و من تناجى ماالتفت ولا زلت من موضعك ابداً ۔ جب بندہ مومن نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو خداوند عالم اس کی طرف نگاہ رحمت فرماتا ہے یا حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب تک وہ نماز ختم کر کے واپس نہ ہو لے ۔ اور اس کے سر سے آسمان کے افق تک اس پر رحمت خداوندی سایہ کرتی ہے اور ملائکہ چاروں طرف سے آسمان کے افق تک اسے اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے سر پر کھڑے ہونے والے فرشتہ کو موکل کرتا ہے جو اس سے کہتا ہے ۔ نماز پڑھنے والے ، اگر تجھے علم ہوتا کہ تجھے کون دیکھ رہا ہے اور تو کس سے محو مناجات ہے تو تو کسی چیز کی طرف توجہ ہی نہ دیتا اور اپنے مقام سے کبھی بھی نہ ہلتا ۔

امام صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ۔ لا تجتمع الرغبة والرهبة فى قلب الا وجبت له الجنة فاذا صليت فاقبل بقلبك على الله تعالى عزوجل فانه ليس من عبد مومن يقبل بقلبه على الله تعالى فى صلاته و دعائه الا اقبل الله عليه بقلوب المومنين وايده مع مودتهم اياه بالجنة جس دل میں

خوف و امید جمع ہو گی اس کے لیئے جنت واجب ہو جائے گی ۔ لہذا تجھے چاہیئے کہ جب تو نماز پڑھے تو دل کو خدا کے حضور پیش کر ۔ کیونکہ جو بھی مومن اپنی نماز اور دعا میں کامل توجہ قلب سے خدا کے حضور پیش ہوتا ہے تو اللہ مومنین کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کرتا اور مومنین کے دلوں میں اس کے لیئے جنت کی دعا مانگنے کا الہام فرماتا ہے ۔ ابو حمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام زین العابدین علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا دوران نماز امام علیہ السلام کی ردا آپ کے کندھے سے گر گئی تو امام علیہ السلام نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ کی یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوئے میں نے ان سے پوچھا تو مجھے فرمایا ۔ تجھ پر افسوس تجھے علم نہیں کہ میں کس کے حضور کھڑا تھا ۔ مومن کی وہی نماز قبول ہوتی ہے جسے وہ دل کی گہرائی سے ادا کرتا ہے ۔ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان پھر تو ہم ہلاک ہو گئے ۔ آپؑ نے فرمایا ہرگز نہیں اللہ فرائض کی تکمیل نوافل سے کر دے گا ۔

فضیل بن یسار نے امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ۔ انہوں نے فرمایا ۔ انمالک من صلاتک ما اقبلت علیه فان اوهمها کلها او غفل عن ادابها لفت فضرب بها وجه صاحبها ۔ تمہارے حصہ میں صرف وہی نماز آئے گی جو تم نے رجوع قلب سے ادا کی ہو گی ۔ اگر نمازی پوری نماز میں شک کا شکار رہے یا اس کے آداب سے غفلت برتے تو وہ نماز لپیٹ کر اس کے منہ پر مار دی جاتی ہے ۔ زرارہ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ۔ اذا قمت فی الصلاۃ فعلیک بالاقبال علی صلاتک فانما لک منها ما اقبلت علیه بقلبک ولا تعبث فیها بیدک ولا براسک ولا بلحیتک ولا تحدث نفسک ولا تتثاءب فیها ولا تتمطّ (الحدیث) جب نماز کے لیئے کھڑے ہو جاؤ تو تمہیں پورے حضور قلب سے نماز پڑھنی چاہیئے کیونکہ حضور قلب سے ادا کی ہوئی نماز ہی تمہارے حصے میں آئے گی لہذا تمہیں چاہیئے کہ دوران نماز اپنے سر کو نہ کھجاؤ اور نہ ہی داڑھی سے کھیلو اور نہ ہی دل میں کسی اور سے محو گفتگو رہو اور نہ ہی شکار کے متعلق سوچو اور نہ ہی بازو کو ادھر ادھر حرکت دو اور نہ ہی انگڑائی لو ۔

حلبی امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب نماز پڑھو تو پورے حضور قلب سے پڑھو کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون۔ بے شک ان ایمان داروں نے نجات حاصل کی جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے جد نامدار حضرت زین العابدین علیہ السلام کی نماز کی کیفیت یوں بیان فرمائی کہ جب آپؑ نماز کے لیئے کھڑے ہوتے تھے تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور جب سجدہ کرتے تو مقام سجدہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا اور نماز میں آپ شاخِ درخت کی طرح ہوتے تھے جو خود نہیں ہلتی جب تک اسے ہوا نہ ہلائے۔

حضرت محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ ان اول ما یحاسب به العبد الصلاۃ فان قبلت قبل ماسواھا ان الصلوۃ اذا ارتفعت فی وقتھا رجعت الی صاحبھا وھی بیضاء مشرقة تقول حفظتنی حفظک اللہ واذا ارتفعت فی غیر وقتھا بغیر حدودھا رجعت الی صاحبھا وھی سوداء مظلمة تقول ضیعتنی ضیعک اللہ۔ بروز قیامت بندہ سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر نماز قبول ہو گئی تو باقی عمل بھی قبول ہو جائیں گے اور جب نماز اپنے وقت پر خدا کی طرف سفر کرتی ہے تو پھر اپنے پڑھنے والے کے پاس خوبصورت اور چمکتی ہوئی شکل میں آکر کہتی ہے تو نے میری حفاظت کی اللہ تیری حفاظت کرے۔ بے وقت اور شرائط و حدود کا خیال رکھے بغیر ادا کی جانے والی نماز خدا کی جانب سفر کرتی ہے پھر سیاہ اور ڈراؤنی شکل لے کر نمازی کے پاس واپس آکر کہتی ہے۔ تو نے مجھے ضائع کیا، اللہ تجھے ضائع کرے۔

عیص بن القسم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا۔ واللہ انه لیاتی علی الرجل خمسون سنة وما قبل اللہ منه صلاۃ واحدۃ وای شی اشدمن ھذا واللہ انکم لتعرفون من جیرانکم و اصحابکم من لوکان یصلی لبعضکم ماقبلھا منه لاستخفافه بھا ان اللہ لایقبل الا الحسن فکیف یقبل مایستخف به۔ خدا کی قسم بعض اوقات انسان پچاس برس کا ہو جاتا ہے جب کہ خدا

نے اس کی ایک بھی نماز قبول نہیں کی ہوتی اور اس سے بڑھ کر افسوس ناک بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ خدا کی قسم تم اپنے ایسے ہمسایوں اور دوستوں کو جانتے ہو اگر بالفرض وہ تم میں سے کسی ایک کے لیئے نماز پڑھتے تو اس نماز کو بوجہ حقارت کوئی بھی قبول نہ کرتا۔ خداوند عالم صرف اچھا عمل ہی قبول کرتا ہے۔ اللہ اس عمل کو کیسے قبول کرے جس کا عامل بھی اسے حقیر سمجھتا ہو۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے طوبی لمن اخلص العبادۃ و الدعاء للہ و لم یشتغل قلبہ بما تری عیناہ ولم ینس ذکر اللہ بما تسمع اذناہ و لم یحزن صدرہ بما اعطی غیرہ ۔ اس شخص کے لیئے خوش خبری ہے جو اپنی دعا اور عبادت کو خالص اللہ کے لیئے کرے اور جو کچھ اس کی آنکھ دیکھتی ہے اپنے دل کو اس میں مشغول نہ کرے اور جو کچھ اس کے کان سنتے ہیں، اس کی وجہ سے اللہ کے ذکر کو نہ بھلائے اور جو کچھ اس کے علاوہ کسی اور کو عطا کیا گیا ہے اس کی وجہ سے اپنے سینے کو غمناک نہ کرے۔

سفیان بن عیینہ " لیبلو کم ایکم احسن عملا" کی آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالی نے بہترین عمل کا مطالبہ کیا ہے۔ زیادہ عمل کا مطالبہ نہیں کیا عمل کے بہترین اور خالص ہونے کا دارو مدار خوف خدا اور سچی نیت پر ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا۔ الابقاء علی العمل حتی یخلص اشدمن العمل و العمل الخالص الذی لاترید ان یحمدک علیہ احد الا اللہ و النیۃ افضل من العمل الا و ان النیۃ ھی العمل ثم تلاقولہ عزوجل قل کل یعمل علی شا کلتہ یعنی علی نیتہ ۔ کسی عمل پر اس کے خالص ہونے تک قائم رہنا عمل کرنے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے اور عمل خالص کی تعریف یہ ہے کہ تمہیں خدا کے علاوہ اس پر کسی کی ستائش کی ضرورت نہ ہو۔ اور نیت عمل سے افضل ہے آگاہ رہنا نیت ہی عمل ہے۔ پھر آپؑ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ قل کل یعمل علی

شا کلتہ کہہ دو کہ ہر شخص اپنی نیت کے مطابق ہی عمل کرتا ہے۔ اسی اسناد سے مروی ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے قرآن مجید کی آیت۔ الامن اتی اللہ بقلب سلیم (سوائے اس شخص کے جو خدا کے سامنے پاک دل لے کر پیش ہو) کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا قلب سلیم سے مراد ایسا دل ہے جو خدا کے حضور اس حالت میں حاضر ہو کہ اس میں سوائے خدا کے اور کچھ نہ ہو اور ہر وہ دل جس میں شک و شرک ہو وہ بے قیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں زہد کو اس لیئے پسند کرتا ہے تاکہ لوگوں کے دل آخرت کے لیئے آمادہ ہو سکیں۔

ابان بن تغلب کہتے ہیں کہ میں نے مزدلفہ میں امام صادق علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب آپؑ نماز سے فارغ ہوئے تو میری طرف منہ کر کے فرمایا۔ ابان! جو شخص نماز پنجگانہ ان کے جملہ حدود و شرائط کے مطابق ادا کرے اور ان کے وقت کا لحاظ رکھے تو وہ شخص بروز قیامت خدا کے حضور پیش ہو گا تو اس کے پاس عہد ہو گا اور اللہ تعالیٰ اسے اس عہد کے تحت جنت میں داخل کرے گا۔ اور جو شخص نماز کے حدود و شرائط اور اس کے وقت کا خیال نہ رکھے تو قیامت کے دن خدا کے حضور پیش ہو گا تو اس کے پاس کوئی عہد موجود نہ ہو گا۔ اگر اللہ چاہے تو اسے عذاب دے یا اسے بخش دے۔ اخلاصِ عمل کے سلسلہ میں معصومینؑ سے بہت زیادہ احادیث منقول ہیں۔ البتہ ہم اسی مقدار پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ ان تمام احادیث کا مفہوم یہی ہے کہ نماز کی قبولیت کے لئے حضور قلب اور ماسوی اللہ کے ذکر سے اعراض ضروری ہے۔ اور اس چیز سے غفلت سراسر خسارہ ہے۔ جب کہ انسان ہر قسم کے موسم کے شدائد میں نماز بھی پڑھے اور وہ ثمر آور بھی نہ ہو تو اس سے بڑھ کر اور ضرر عظیم کیا ہو سکتا ہے۔ اور یوں انسان عملی طور پر الذین ضل سعیھم فی الحیاۃ الدنیا و ھم یحسبون انھم یحسنون صنعاً۔ (ایسے لوگ جن کی زندگی کی محنت رائیگاں گئی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ اچھا عمل کر رہے ہیں) کی فہرست میں شامل ہو جاتے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ نماز پر ہی تمام اعمال کی قبولیت کا انحصار ہے کیونکہ احادیث میں وارد ہے کہ اگر نماز قبول ہوئی تو باقی عمل بھی قبول ہوں گے۔ اگر نماز رد ہو گئی تو باقی اعمال بھی رد

کر دیئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل عمیم کا سایہ ہم پر دراز رکھے اور ہمارے اعمال کو قبول فرمائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم

حضور قلب کی دوا

مطلب سوم

حضور قلب کے لیئے نافع دوا

جاننا چاہیئے کہ مومن اللہ کی تعظیم بجا لانے والا ہوتا ہے۔ اور خدا کے غضب سے خوف رکھنے والا اور اس کے کرم کا امیدوار ہوتا ہے اور گناہ کرتے ہوئے اسے اپنے خدا سے حیا دامن گیر ہوتی ہے۔ مومن ان صفات سے جدا نہیں ہو سکتا۔ عملی زندگی میں اس عقیدہ کا اثر اسس کی قوتِ یقین کے مطابق ہوتا ہے۔ جتنا یقین مضبوط ہو گا اتنا ہی عمل بہتر ہو گا اور جتنا یقین کمزور ہو گا عمل بھی اس قدر خام ہو گا۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حقیقت کے ادراک کے باوجود مومن نماز میں اس صفت سے محروم کیوں ہو جاتا ہے؟ اور اس کی فکر کیوں بھٹکنے لگتی ہے؟ اور اس کا دل مناجات کی لذت سے محروم کیوں ہوتا ہے؟ اور نماز سے غفلت کس طرح سے کرتا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ دل میں در آنے والے خیالات کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس مرض کو دور کرنے کی دوا یہ ہے کہ ان علل و اسباب کا قلع قمع کیا جائے جس کی وجہ سے دل میں خیالات کی یلغار ہوتی ہے۔ اور یہ اسباب کبھی تو بیرونی ہوتے ہیں اور کبھی اندرونی ہوتے ہیں۔ اگر اسباب بیرونی ہیں اور وہ بھی اتنے قریب ہیں کہ حالت نماز میں وہاں تک آنکھ اور کان کی رسائی ہو سکتی ہے۔ خیالات کی ابتدا کچھ یوں ہوتی ہے کہ آدمی ان چیزوں پر غور و فکر شروع کر دیتا ہے اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی جاتا ہے اور نگاہ ان خیالات کے بڑھانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ پھر ان افکار کی شاخیں نکلنی شروع ہو جاتی ہیں اور یوں انسان اپنے اپ کو بحرِ تفکر میں ڈوبتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ البتہ مضبوط ہمت و قوت ایمانی کے حامل افراد پر یہ چیزیں اثر انداز نہیں ہوتیں۔ لیکن کمزور ہمت رکھنے والے افراد پر یہ چیزیں اثر انداز ہوتی ہیں۔

مرضِ خیالات کا علاج

اس مرض کی دوا یہ ہے کہ ان اسباب کو قطع کیا جائے جو خیالات کی پرورش کا سبب بنتے ہوں اس کا آسان علاج یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا شخص اپنی نگاہوں کو جھکائے رکھے یا کسی تاریک مقام پر نماز ادا کرے جہاں وہ کچھ دیکھ نہ سکتا ہو۔ اس کے قرب و جوار میں ایسی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیئے جو اس کی توجہ کو ہٹانے کا ذریعہ بن سکتی ہو۔ ایسے شخص کو محدود اور تاریک مقام پر نماز پڑھنے کا عملی فائدہ یہ ہو گا کہ اس کی نگاہ کہیں نہ پڑے گی لہذا اس کی توجہ بٹنے کے امکانات بھی محدود ہو جائیں گے۔ ایسے افراد کو سڑک کے کنارے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے اور ایسے مقامات پر انہیں نماز پڑھنے سے احتراز کرنا چاہیئے جہاں نقش و نگار اور تزئین کاری کی گئی ہو۔ ہم نے بہت سے عبادت گذاروں کا مشاہدہ کیا ہے جو تنگ و تاریک مقام میں اس لیے نماز پڑھتے ہیں تاکہ انہیں یکسوئی نصیب ہو سکے۔ واضح رہے کہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ نمازی حالت قیام میں اپنے مقام سجدہ پر نظر رکھے۔ لہذا نمازی کو شرعی حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنی نظر کو مقام سجدہ تک ہی محدود رکھنا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ محسوس کرے کہ آنکھ کھلی رکھنے سے وہ خیالات کی دلدل میں پھنس رہا ہے تو اسے چاہیئے کہ آنکھیں بند کر کے نماز پڑھے۔ دوران نماز اسے یہ چیز ہر وقت ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ وہ خداوند بزرگ و برتر کے حضور کھڑا ہوا ہے۔ جو اس کے ظاہر و باطن سے واقف ہے جو اس کے دل کے خیالات سے پوری طرح باخبر ہے۔ لہذا اسے پورے حضور قلب کے ساتھ اس کے حضور کھڑا ہونا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سلطانِ ذی جود اسے اپنے مقام خدمت سے محروم کر دے اور اس سے اپنی نگاہ کرم کو پھیر دے۔ لہذا ایک بے بضاعت غلام کو چاہیئے کہ اپنے آقا و مولا کے حضور پورے اخلاص قلب کے ساتھ حاضری دے اور اپنے آقا سے گفتگو کرتے وقت پورے آداب کا خیال رکھے۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ ان اللہ لا ینظر الی صورکم و لکن ینظر الی قلوبکم ۔ بلا شبہ اللہ تعالی تمہاری شکل و صورت کو نہیں دیکھتا اللہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ جب نمازی اپنے ذہن میں یہ سب کچھ رکھ کر نماز پڑھے گا تو امید ہے کہ وہ

خیال کی پراگندگی سے بچ جائے گا اور اس کا قلب بھی حاضر ہو سکے گا۔ اگر خیالات کی یلغار کا تعلق اندرونِ انسان سے ہو تو یہ بیرونی خیالات کی بہ نسبت زیادہ تکلیف دہ ہے۔ کیونکہ جب دل دنیا کی وادی میں بھٹک جائے تو پھر ایک ہی مقصد تک محدود نہیں رہتا۔ خیالات کی یلغار اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ ایسے شخص کے لیئے آنکھوں کا جھکانا یا بند کرنا چنداں سود مند نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر یہ شخص آنکھیں بھی بند کرے تو بھی اس کا دل دنیا کے جھمیلوں میں ہی اٹکا رہے گا۔

اس مرض کا علاج یہ ہے کہ ایسے شخص کو چاہیئے کہ اپنے خیال کو مرتکز رکھنے کے لیئے الفاظ نماز کے معانی پر غور و فکر کرے اور اپنے ذہن کو مجبور کر دے کہ ادھر ادھر کے خیالات میں بھٹکنے کی بجائے الفاظ نماز کے معانی پر ہی غور کرے۔ ایسے شخص کو چاہیئے کہ تکبیرۃ الاحرام سے پہلے آخرت کے دن کے متعلق سوچے اور قیامت کے دن کی پیشی کے متعلق غور کرے کہ اسے خداوند جبار و قہار کے حضور کھڑا ہونا ہے۔ اور نماز میں اپنے کھڑے ہونے کو قیامت کی پیشی کا ہی ایک حصہ تصور کرے۔ نماز سے پہلے تمام دنیاوی خیالات سے اپنے قلب و ذہن کو آزاد کر لے۔ امید ہے کہ یہ طریقہ اس کے لیئے فائدہ مند ثابت ہو گا۔

اگر بالفرض یہ "مسکن دوا" بھی فائدہ مند ثابت نہ ہو تو پھر اس کے لیئے ایسی "مسہل دوا" کی ضرورت ہے جس سے اس کے فاسد خیالات کی جڑ کٹ جائے اور اس کا طریق کار یہ ہے کہ وہ دیکھے کہ کس قسم کے خیالات و افکار اسے نماز میں ستاتے ہیں تو اسے ان چیزوں سے ہی نجات حاصل کرنی چاہیئے جو اس کی نماز میں خیالات کا سبب بنتی ہیں۔ اور اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو چیز اس کی نماز میں مخل ثابت ہو رہی ہے وہ اس کے دین کی دشمن ہے اور لشکرِ ابلیس کا سپاہی ہے۔ ایسی چیز کو اپنے پاس رکھنا زیادہ خطرناک ہے۔ لہٰذا اس سے ناتا توڑ لینا چاہیئے۔ روایت میں وارد ہے کہ ایک شخص نے اپنے باغ میں نماز پڑھی درخت پر ایک خوبصورت پروں والا پرندہ بیٹھا تھا نماز میں اس کی نظر اس پر پڑی تو وہ پرندہ اسے بہت اچھا لگا اور اس کا ذہن اسی درخت اور پرندے میں کھو گیا۔ اور اس کے

ذہن سے رکعاتِ نماز کا تصور جاتا رہا۔ تو اس شخص نے فارغ ہو کر سوچا کہ میری نماز اس باغ اور درخت اور پرندے کے تصور کی نذر ہو گئی ہے لہذا اس فکر کے کفارے کے طور پر اس نے پورے باغ کو ہی خدا کی راہ میں صدقہ کر دیا۔ اور غرباء و مساکین کے لیئے وقف کر دیا۔

جی ہاں اہل ہمت ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں ایک صاحب ہمت نمازِ جماعت سے رہ گیا تو اس نے ساری رات نوافل میں گذار دی تاکہ نماز جماعت کے ثواب کی تلافی ممکن ہو سکے۔ ایک صاحبِ ہمت سے نماز مغرب کی ادائیگی میں اتنی دیر ہو گئی کہ دو ستارے نمودار ہو گئے تو اس نے اس کی تلافی کے لیئے دو غلام آزاد کر دیئے ایک اور بندہ خدا سے فجر کی نماز قضا ہو گئی تو اس نے ایک غلام آزاد کر دیا۔ ہم نے اس سے پہلے جو "مسکن دوا" تجویز کی تھی یہ ان افراد کے لیئے مفید ہے جن میں جذبہ خواہشات کمزور قسم کا ہے۔ اور جن افراد میں خواہشات کا جذبہ شدید ہو تو وہاں مذکورہ "مسکن دوا" فائدہ نہیں دے گی بلکہ خواہشات کا منہ زور طوفان اس نمازی کو اپنے دھارے میں مسلسل بہاتا رہے گا۔ اس امر کی حقیقت سمجھنے کے لیئے درج ذیل مثال پر توجہ فرمائیں کہ ایک شخص ایک ایسے درخت کے نیچے نماز پڑھ رہا ہے جہاں ہر وقت چڑیاں چڑ چڑ کرتی رہتی ہوں۔ اور وہ ہر قسم کے خیالات سے آزاد ہو کر نماز پڑھنا چاہتا ہو۔ جیسے ہی وہ نیت باندھے گا چڑیوں کا شور اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا دے گا اگر بالفرض اس کے پاس کوئی چھڑی رکھی ہوئی ہے اور وہ چھڑی اٹھا کر چڑیوں کو اڑاتا ہے تو چند لمحے خاموشی طاری ہو گی لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہی چڑیاں چڑ چڑانے لگیں گی۔ ایسا شخص کبھی بھی خیالات سے آزاد ہو کر نماز نہیں پڑھ سکے گا۔ ایسے شخص کے لیئے آخری تدارک یہی ہو سکتا ہے کہ اگر وہ چڑیوں کے شور و شغب سے آزاد ہو کر نماز پڑھنے کا خواہش مند ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ اس درخت کو ہی کاٹ ڈالے جہاں چڑیوں نے اپنے گھونسلے بنائے ہوئے ہیں۔ یہی مثال خواہشات کے درخت کی ہے یہ درخت جتنا تناور ہوتا جائے گا تو اس پر خیالات کے گھونسلے بنتے جائیں گے۔ خواہشات کی غلاظت پر خیالات کی مکھیاں ہر وقت بھنبھناتی رہتی ہیں۔ اگر آپ مکھی کو اڑائیں گے تو دوبارہ

آبیٹھے گی۔ اس کا حل یہی ہے کہ اس غلاظت کو ختم کیا جائے تاکہ مکھیوں سے نجات حاصل ہو سکے۔ خواہشات کے درخت پر خیالات کی چڑیاں ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ اور انسانی خواہشات کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی البتہ ان خواہشات کی جڑ ایک ہے اور وہ ہے دنیا کی محبت اور یہی حب دنیا ہر غلطی کی بنیاد ہے۔ اور ہر نقصان و فساد کا منبع یہی ہے۔ جب کسی شخص کا باطن حب دنیا سے لبریز ہو اور وہ دنیا سے صرف دنیا کے لیئے نہ کہ آخرت کے زادِ راہ کے طور پر محبت رکھے تو ایسے شخص کو نماز میں لذت مناجات میسر نہیں آسکتی۔ جو شخص دنیا کے حصول پر خوش ہوتا ہے اسے نماز میں ذکر خدا اور مناجات سے خوشی محسوس نہیں ہو سکتی۔ اصولِ کائنات یہ ہے کہ ہر شخص اسی چیز کی سب سے زیادہ جستجو کرتا ہے جس سے اسے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور میسر آسکے۔ تو جس شخص کی آنکھیں حصول دنیا سے ٹھنڈک محسوس کرتی ہوں گی تو وہ دنیا کے لیئے ہی اپنی تمام تر کوششوں کو کام میں لائے گا۔ لیکن بااین ہمہ اسے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے اسے اپنی طرف سے نماز کو خالص بنانے کی کوششیں ترک نہیں کرنی چاہئیں ممکن ہے کہ وہ کسی دن اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جائے اور کسی دن اللہ کی رحمت اسے اپنے سایہ میں لے لے۔

ایک غلطی کا ازالہ:۔

ہماری اس بحث سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ہم بالکلیہ ہی دنیا کے خلاف ہیں۔
ہمارا یہ مقصد نہیں ہے اور نہ ہی ہم رہبانیت پر یقین رکھتے ہیں ہمارا نظریہ تو اس ضمن میں بالکل سیدھا سا ہے کہ دنیا کا مقام جیب ہے اور اللہ کا مقام قلب ہے۔ لہذا جب تک دنیا جیب تک محدود رہے اور قلب میں اللہ موجود ہو تو یہ دنیا عین دین بن جاتی ہے۔ البتہ فساد اس وقت شروع ہوتا ہے جب دنیا جیب سے نکل کر دل میں جاگزین ہو جائے۔ ورنہ دنیا مطلقاً قابل مذمت نہیں ہے مثلاً ایسا صاحب ہمت انسان جس کے ساتھ دنیا ہو لیکن

وہ دنیا کے ساتھ نہ ہو اور وہ دنیا کا مالک ہونے کی وجہ سے دنیا کو وہاں صرف کرے جہاں اللہ کا حکم ہے اور دنیا کو اطاعت الہی کے وسیلہ کے طور پر اپنے کام میں لائے اور اس سے زاد آخرت اکٹھا کرے تو ایسے شخص کے لیے دنیا نقصان دہ نہیں ہوگی۔

اسی لیئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ نعم العون علی تقوی اللہ الغنی۔ دولت تقوائے خداوندی کے لیئے بہترین مدد گار ہے۔ مگر دنیا کی فراوانی کے وقت یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہے کہ یہ تلبیس ابلیس کا مقام اور دھوکہ کھانے کی جگہ ہے بیدار مغز انسان کو احتیاط سے کام لینا چاہیئے اور ہمیشہ اپنے قلب و نظر کا امتحان لینا چاہیئے کہ آیا قلب دنیا کے جھمیلوں میں پھنسا ہوا تو نہیں ہے؟

اس کے لیئے انسانی وجدان ہی بہترین فیصل ہے۔ اکثر لوگوں نے ہماری "مسہل" کو کڑوی سمجھ کر اسے استعمال کرنے سے گریز کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مرض مزمن صورت اختیار کر گئی اور آہستہ آہستہ نوبت بایں جارسید کہ محبت خداوندی کے بڑے بڑے دعویداروں سے دو رکعت خالص نماز ادا نہ ہو سکی۔

اے کاش اگر ہماری ساری نماز باخشوع نہیں بن سکتی تو کم از کم نصف یا تہائی نماز ہی خالص حضور قلب سے ادا ہو جاتی اور یوں ہم ان لوگوں کی صف میں شامل ہو جاتے جن کے لیئے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا۔ خلطوا عملا صالحاً و اخر سیئا عسی اللہ ان یتوب علیھم ان اللہ غفور رحیم۔ ایسے لوگ جنہوں نے نیک اور برے اعمال کو غلط ملط کر دیا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لے بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

خلاصہ اینکہ دنیا اور آخرت کی فکر کی مثال سرکہ سے بھرے ہوئے ایک پیالہ کی طرح ہے اس پر ہم پانی ڈالتے ہیں تو جتنا پانی پیالے میں جائے گا اتنی ہی مقدار میں سرکہ پیالے سے باہر نکل جائے گا۔ بس اسی طرح سے دل میں فکر آخرت جس قدر داخل ہوتی جائے گی اسی قدر فکر دنیا دل سے نکلتی جائے گی۔

خداوند عالم ہمیں اور آپ کو توفیق رشد عنایت فرمائے ۔ یقیناً وہ غفور الرحیم ہے ۔ ربنا آتنا من لدنک رحمۃ وھیی لنا من امرنا رشدا ۔

فصلِ اول

★★★★★ مقدمات نماز ★★★★★

مقدمات نماز میں کچھ واجب ہیں اور کچھ مسنون ہیں۔ واجب میں طہارت اور نجاست کا ازالہ، ستر عورتین اور مقام نماز کا پاک ہونا اور غصبی نہ ہونا اور رو بقبلہ ہونا ہے۔ اور مسنون امور بھی کافی ہیں۔ از انجملہ مسجد میں نماز پڑھنا، اذان و اقامت اور چھ تکبیروں کا ادا کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ مقدمات نماز میں سے ہر ایک مقدمہ میں وظائف قلبیہ اور اسرار خفیہ پوشیدہ ہیں جن کا ادارک صفائے عقل اور حضور قلب سے ممکن ہے۔ جن میں چند امور پر ہم بحث کرنا چاہتے ہیں۔

طہارت

وضو میں منہ اور ہاتھ دھوئے جاتے ہیں اور انہیں پاک صاف کیا جاتا ہے۔ منہ اور ہاتھ کا دھونا اس لیئے ضروری ہے کہ یہ اعضاء لوگوں کے سامنے ہوتے ہیں تاکہ لوگ اس کے ان اعضاء سے تکدر محسوس نہ کریں۔ اور ان اعضاء کے دھونے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ یہ اعضاء امور دنیا میں مصروف رہے ہیں اب چونکہ ان اعضاء کو خالق کائنات کے حضور پیش ہونا ہے اسی لیئے حکم دیا گیا کہ انہیں دنیا کی آلودگی سے پاک کرو تاکہ یہ اعضاء صاف و شفاف حالت میں اپنے خالق کے حضور پیش ہو سکیں۔ لہذا نمازی کو وضو کرتے وقت یہ خیال پیش نظر رکھنا چاہیئے قلب کی طہارت ان اعضاء کی طہارت سے زیادہ اہم ہے کیونکہ قلب اللہ تعالی کی نظر عنایت کا مقام ہے اور اللہ تعالی شکل و صورت کو نہیں بلکہ وہ دلوں کو دیکھتا ہے۔ اور دل ہی تمام اعضاء و جوارح کا رئیس اعظم اور مملکت وجود کا سلطان ہے۔ اسی لیئے جب نمازی اس کے رعایا کے افراد کو پاک کرنا ضروری سمجھتا ہے تو اس

جسد خاکی کے اصل مالک قلب کو پاک کرنا بدرجہ اولیٰ لازمی ہے۔ جب ہم دنیا کی آلائشوں میں مصروف ہونے والے اعضاء کو دھوتے ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ان اعضاء کو دنیا کی آلائشوں میں ڈالنے والا تو دل ہی تھا لہذا صرف اس کے معمولی کارندوں کی طہارت ہی کافی نہیں بلکہ اصل محرک کی طہارت بدرجہ با لازمی ہے۔ دنیا اور آخرت عموماً ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں۔ انسان ان میں سے جب ایک کے قریب ہوتا ہے تو دوسری سے اتنا ہی دور ہو جاتا ہے۔ اس لیئے نماز سے پہلے وضو کا حکم دیا گیا تاکہ انسان دنیا کے فکر سے آزاد ہو کر فکر آخرت کی جانب متوجہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے وضو میں چہرے کو دھونا اس لیئے فرض قرار دیا تاکہ چہرے میں پاکیزگی پیدا ہو اور چہرے میں ہی آنکھیں ہوتی ہیں جو کہ طلب دنیا کا بڑا محرک ہیں اور چہرے کے قریب کان ہیں جو کہ دنیاوی آواز پہ شیفتہ رہتے ہیں۔ اسی چہرے میں منہ موجود ہے جس سے انسان رزق جسمانی کھاتا ہے اور ناک کا تعلق بھی اسی چہرے سے ہی جس سے انسان دنیاوی خوشبوؤں کا ادراک کرتا ہے۔

الغرض چہرے میں اکثر ایسے اعضاء موجود ہیں جو دنیا طلبی کے محرک ہیں۔ شریعت طاہرہ نے اسی لیئے ان کے دھونے کا حکم دیا تاکہ ان اعضاء سے دنیا کی الفت کو دھو دیا جائے اور انسان حب دنیا سے خالی ہو کر خداوند کریم سے محو مناجات ہو سکے۔ اور جب انسان ان اعضا کو پاک کرتا ہے تو انکے اصل محرک اور ان کے حاکم دل کو پاک کرنے کی زیادہ ضرورت کا احساس کرنا چاہیئے۔ چہرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے دونوں ہاتھوں کے دھونے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ ہاتھ ہر وقت دنیا طلبی میں ملوث رہتے ہیں۔ پھر خداوند قدوس نے سر کے مسح کا حکم دیا ہے کیونکہ سر میں قوت مفکرہ موجود ہوتی ہے۔ جو کہ دنیاوی امور کی طرف ہر وقت دلالت کیا کرتی ہے اور امور آخرت کی فکر سے مانع بنتی رہتی ہے۔ آخر میں پاؤں کا مسح فرض کیا گیا۔ کیونکہ پاؤں ہی دنیا میں انسان کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جاتے ہیں۔ مسح اس لیئے کیا گیا تاکہ پاؤں کو یہ پیغام دیا جا سکے کہ اب ہماری دنیاوی

ضرورتوں کے سفر کا اختتام ہو گیا ہے اب ہم نے خداوند عظیم کی بارگاہ میں حاضری دینی ہے۔ وضو کی تکمیل سے انسان سعادت ابدی کے حصول کے قابل بنتا ہے اور معراجِ مومنین یعنی نماز کے لائق بنتا ہے۔

خداوند عالم نے غسل میں تمام جسم کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اس سے قبل جسم دنیا کی پست ترین لذت میں ڈوبا تھا اور پورے جسم کو احساسِ لذت سے آشنائی ہوئی تھی۔ اس لیئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ ان تحت کل شعرة جنابة۔ بے شک ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے۔ غسل جنابت پورے بدن کے لیئے اس لیئے ضروری ہے کیونکہ کچھ وقت کے لیئے پورا بدن اعلی مرتبہ سے بعید رہ کر سفلی ترین لذت میں ڈوبا رہا اسی لیئے غسل کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ لذاتِ دنیا اور حیوانی جبلت میں ڈوبے ہوئے جسم کو پاک کیا جائے۔ غسل کرتے وقت انسان کو یہ نکتہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ جب سارے جسم کو سفلی لذت میں منہمک ہونے کی وجہ سے دھو رہا ہے تو اس کا اصل محرک اس کا قلب تھا۔ لہذا غسل کو صرف جسد ظاہری تک ہی محدود نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسے قلب تک وسعت دینی چاہیئے۔ البتہ جسم پانی سے پاک ہوتا ہے اور دل توبہ و انابت سے پاک ہوتا ہے۔ جس طرح سے جسم کو نجاست ظاہری سے پاک کرنا ضروری ہے اسی طرح سے دل کو رذائل اور صفات مذمومہ سے پاک کرنا ضروری ہے۔ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کو فرض کیا گیا اور مٹی سے طہارت کے حصول کو لازمی قرار دیا گیا۔ تاکہ جلوہ دنیا سے فریب خوردہ انسان کو یہ پیغام دیا جا سکے کہ دنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر نور فطرت کو ضائع نہ کرو۔ تم نے اس زمین پر قلیل عرصہ رہنا ہے۔ تم نے عنقریب قبر میں جانا ہے۔

علاوہ ازیں مٹی سے مانوس کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان کو تربت حسینیہ کے قریب تر لایا جائے۔ خاک سے مانوس ہونے کی صورت میں انسان تکبر سے بچ جاتا ہے۔ جب انسانی قلب سے تکبر رخصت ہو جائے تو وہ نور الہی کی تجلیات و فیوض کے لائق بن جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالی ٹوٹے دلوں کے قریب ہوتا ہے۔

وضو کے اسرار بیان کرتے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ جب تم وضو اور طہارت کا ارادہ کرو

اور پانی کی طرف بڑھو تو اس وقت یہ محسوس کرو کہ تم رحمت الٰہی کی طرف بڑھ رہے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو اپنی قربت و مناجات کی چابی مقرر فرمایا ہے۔ رحمت الٰہی اور پانی میں وجہ شبہ یہ ہے کہ پانی سے ظاہری نجاسات دور ہوتی ہیں اور رحمت الٰہی سے بندوں کے گناہ دور ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ھو الذی ارسل الریاح بشراً بین یدی رحمتہ و انزلنا من السماء ماءً طھورا ۔وہی تو ہے جس نے ہواؤں کو اپنی رحمت کے آنے سے پہلے خوشخبری دینے والیاں بناکر بھیجا اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا۔ اور پانی کی افادیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا۔ و جعلنا من الماء کل شی حی۔ ہم نے ہر جاندار کو پانی سے بنایا۔ تو جیسے پانی دنیا کی ہر نعمت کے لیئے روحِ حیات ہے اسی طرح رحمت ایزدی دلوں کے لیئے روح حیات ہے۔ دل کی زندگی رحمت الٰہی سے ہی ممکن ہے شاید یہی وجہ ہے کہ اللہ نے جس ذات اطہر کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا اس کی بھی یہی صفت بیان فرمائی۔ یا ایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم ۔اے ایمان والو! جب تم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایسے کام کے لیئے بلائے جو تمہاری زندگی کا باعث ہو تو خدا اور رسولؐ کا حکم دل سے قبول کرلو۔ پانی کی صفائی اور باریکی، طہارت و برکت اور اور اشیاء میں اس کے حسنِ امتزاج پر غور کریں کہ پانی دنیا کی کتنی بڑی نعمت ہے اور خداوند علیم نے اپنی مخلوق کی مصلحت کے لیئے اس کو کس قدر فراواں کیا ہے تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ انسان تو اللہ کی نعمات میں سے صرف پانی کی نعمت کے شکر کے بھی قابل نہیں ہے۔

وضو میں کچھ فرائض ہیں اور کچھ مسنون امور ہیں اور ہر ایک میں جداگانہ حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ آپ جب پانی کو ادب و احترام سے استعمال کریں گے تو آپ کے سامنے وہ حکمتیں بے نقاب ہوتی چلی جائیں گی۔ پانی کو استعمال کرتے وقت آپ کو بھی یہ سوچنا چاہیئے کہ آپ بھی مخلوق خدا سے اسی طرح گھل مل جائیں جس طرح سے پانی اشیاء میں گھل مل جاتا ہے۔ اور با ایں ہمہ اپنی صفت پھر بھی برقرار رکھتا ہے۔ اس لیئے خواجہ کائنات رسول اکرم صلی

اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا مثل المومن الخالص کمثل الماء الخالص مومن کی مثال پانی جیسی ہے ۔ آپ اپنی تمام اطاعات میں ایسی ہی صفوت اختیار کریں جیسا کہ پانی آسمان سے صاف حالت میں برستا ہے ۔ اور اسی صفائی کی وجہ سے اللہ تعالی نے پانی کو لفظِ طہور کی صفت سے یاد فرمایا ہے ۔ اور پانی سے اعضاء وجوارح کو دھوتے وقت اپنے دل کو بھی تقوی اور یقین کی صفات سے پاک کریں ۔ علل ابن شاذان میں امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے ۔ آپ نے فرمایا ۔

ثم امر با لوضوء لیکون العبد طاهراً اذا قام بین یدی الجبار عندمناجاته ایاه مطیعا له فیما امره نقیا من الادناس و النجاسة مع ما فیه من ذهاب الکسل و طرد النعاس وتزکیة الفواد للقیام بین یدی الجبار و انما وجب علی الوجه و الیدین و الراس و ا لرجلین لان العبدا ذاقام بین یدی الجبار فانما ینکشف من جوارحه و یظهر ما وجب فیه الوضوء و ذلک انه بوجهه یسجدو به یخضع و بیدیه یسئل و یرغب ویرهب و یتبهل و براسه یستقبله فی رکوعه و سجوده و برجله یقوم ویقعدو امر بالغسل من الجنابة دون الخلا لان الجنابة من نفس الانسان و هوشی یخرج من جمیع جسده و الخلا لیس هو من نفس الانسان انما هو غذاء یدخل من باب و یخرج من باب

پھر خداوند عالم نے انسان کو وضو کا حکم دیا تاکہ بندہ خداوند جبار سے مناجات کرتے وقت پاک و صاف ہو اور اس کے فرمان کا اطاعت گذار بن کر حاضر ہو ۔ میل کچیل اور نجاست سے پاک ہو اور پھر وضو سے سستی اور کاہلی بھی دور ہوتی ہے اور خداوند جبار کے حضور کھڑا ہونے کے لیئے دل بھی پاک ہوتا ہے ۔

خداوند عالم نے وضو میں چہرے/اور دونوں ہاتھوں ، سر اور دونوں پاؤں کو اس لیئے شامل فرمایا کیونکہ جب انسان خداوند عالم کے حضور کھڑا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے یہی اعضا ہی ظاہر ہوتے ہیں ۔ چہرے سے انسان سجدہ کرتا ہے اور اسی سے ہی اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے دعا مانگتا ہے اور انہی سے ہی رغبت و

خوف اور ایک سو ہونے کا اظہار کرتا ہے اور سر کو رکوع و سجود میں جھکاتا ہے اور اس سے روبقبلہ ہوتا ہے اور اپنے قدموں کے ذریعے سے اٹھتا اور بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالی نے جنابت میں غسل کا حکم دیا ہے جبکہ حوائج ضروریہ کے لیے غسل فرض نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جنابت کا تعلق انسان کے پورے وجود سے ہوتا ہے اور مادہ منویہ انسان کے پورے جسم سے گروش کر کے برآمد ہوتا ہے۔ جب کہ پیشاب، پاخانہ میں ایسا نہیں ہوتا، حوائج ضروریہ تو غذاء کا فضلہ ہے جو ایک راہ سے داخل ہو کر دوسرے راہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

ازالۂ نجاست

ازالۂ نجاست میں بھی انسان کو اس بات کا درس دیا گیا ہے کہ وہ ظاہری نجاست کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دل کو بھی اخلاق رذیلہ اور صفات ذمیمہ سے پاک کرے۔ کیونکہ ظاہری جلد کے ہی پاک کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ کپڑوں کے پاک کرنے کا بھی حکم ہے۔ حالانکہ کپڑے انسانی جسم کا حصہ نہیں ہیں۔ یہیں سے انسان کو سوچنا چاہیئے کہ جب اس کے ساتھ لگنے والی چیز کی طہارت ضروری ہے تو اس کے قلب و باطن کی تطہیر کتنی ضروری ہے؟

لہذا ظاہری جلد اور کپڑوں کو دھوتے وقت انسان کو چاہیئے کہ وہ توبہ اور انابت کے صابن سے اپنے دل کو دھوئے اور آئندہ کے لیئے تمام اخلاق رذیلہ کے چھوڑنے کا عزم دراسخ کر لے اور یوں اپنے باطن کو پاک کرے کیونکہ دل تجلیات الٰہی کا مرکز ہے۔ اور قضائے حاجت کرتے وقت انسان کو اپنے فطری نقائص پر نظر رکھنی چاہیئے کہ وہ کس قدر غلاظت و گندگی سے بھرا ہوا ہے۔ اور پھر اس گندگی کے اٹھانے والے کو کسی قسم کا تکبر زیب نہیں دیتا۔ جس طرح سے انسان قضائے حاجت کے وقت غلاظت کے دور ہونے پر آسودگی محسوس کرتا ہے لہذا اسے چاہیئے کہ اپنے قلب کو خیالات فاسدہ اور خبث باطن سے دور کرے اور یوں قلبی آسودگی کی لذت حاصل کرے۔ اور خبث باطن سے فراغت حاصل کر کے بساطِ خدمت پہ کھڑا ہونے کے لائق بن جائے اور اپنے خالق سے مناجات کی مٹھاس حاصل کرے۔ عربی زبان میں بیت الخلاء کو "مستراح" کہا جاتا ہے۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کی وجہ تسمیہ یوں بیان فرمائی کہ بیت الخلاء کو مستراح اس لیئے کہا جاتا ہے کہ اس میں انسان کو نجاست کا بوجھ دور ہونے پر راحت ملتی ہے۔ مومن اس بات سے یہ سبق لیتا ہے کہ دنیاوی مال و متاع کا نتیجہ بھی غلاظت کی صورت میں برآمد ہوتا ہے اس لیئے دنیاوی حرص و طمع کو چھوڑ کر ہی راحت محسوس کی جا سکتی ہے۔

انسانی طبیعت فطری طور پر میل کچیل اور نجاست سے متنفر ہے۔ لہذا ظاہری نجاست کو پانی سے پاک کریں اور

باطنی نجاست کو تقویٰ اور قناعت سے پاک کریں۔ تاکہ آپ کو دونوں جہانوں کی سعادت نصیب ہو سکے اور یہ راحت و سکون جبھی نصیب ہو سکتا ہے جب انسان دنیا کو حقیر سمجھتے ہوئے حرام اور مشتبہ اشیاء سے پرہیز کرے اور جب یہ تمام حقائق انسان کے ذہن نشین ہو جائیں گے تو تکبر سے نجات پالے گا اور گناہوں سے دوری اختیار کرے گا اور اس کے لیئے تواضع و حیاء کا دروازہ کھل جائے گا اور یوں انسان چند روزہ تکلیف کے بعد ہمیشہ کی راحت کا حقدار بن جائے گا۔

ستر عورتین (تن ڈھانپنا)

نمازی کے لیئے حالت نماز میں جسم کا ڈھانپنا فرض قرار دیا گیا ہے تاکہ دنیا والوں کی نگاہ انسان کے مقام شرم پر نہ پڑنے پائے۔ گویا خدائے ستار کی مشیت یہ ہے کہ نمازی کے پوشیدہ اعضاء پر کسی کی نظر نہ پڑے اور یوں اسے فضیحت سے بچایا جا سکے۔ نمازی اپنے بدن کے مخصوص اعضاء کو تو لوگوں کی نگاہوں سے بچا سکتا ہے لیکن کیا خیال ہے خداوند کریم سے اس کی باطنی خرابیاں پوشیدہ رہ سکتی ہیں؟

حاشاو کلا۔ لہذا نمازی کو تن پوشی کے وقت اپنی تمام کوتاہیوں کو مد نظر رکھنا چاہیئے اور ان برائیوں کو ڈھانپنے کے لیئے ندامت و حیا، اور خوف خدا کا پردہ حاصل کرنا چاہیئے جب نمازی اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو اپنے مدنظر رکھے گا تو اسے خداوند عالم کے حضور کھڑا ہوتے وقت حیاء و شرم محسوس ہوگی۔ اور اس تصور کے ذریعہ سے انسان اپنے خدا کے حضور ایک گنہگار مجرم کی طرح سر جھکا کر کھڑا ہوگا گویا ایک بھاگا ہوا غلام اپنے مالک کے حضور سر نیہوڑائے کھڑا ہوا ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ازین اللباس للمومنین لباس التقوی و انعمه الایمان قال الله تعالیٰ و لباس التقوی ذلک خیر۔ اہل ایمان کے لیئے سب سے زیادہ زینت دینے والا لباس تقوی ہے اور اللہ کی سب سے بڑی نعمت ایمان ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا تقوی کا لباس سب سے بہتر ہے۔ ظاہری لباس اللہ تعالی کی ایک عظیم نعمت ہے اور لباس کی نعمت صرف بنی آدم کو عطا کی گئی ہے۔ انسان کے علاوہ اور کوئی مخلوق لباس نہیں پہنتی۔ اور یہی لباس مومنین کے لیئے ایک فریضہ کی ادائیگی کا بھی موجب ہے۔

مومن کا بہترین لباس وہ ہے جو خدا سے غافل نہ کرے بلکہ سب سے اچھا لباس وہ ہے جو خداوند عالم کے شکر اور ذکر و اطاعت کے قریب کرے اور خود پسندی اور تکبر و ریاء کا سبب نہ بنے۔ کیونکہ تکبر و ریاء دین کو برباد کرنے والی اوصاف ہیں اور دل کی سختی کا سبب ہیں۔ جب آپ لباس پہن کر اپنے بدن کو ڈھانپیں تو اللہ کی طرف سے ہونے

والی پردہ پوشی کو ذہن نشین کریں۔ بدن کے ظاہری حصہ کو لباس سے ڈھانپیں اور اپنے باطن کو صدق و صفا سے ملبوس کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جسم تو حسین لباسوں میں ملبوس ہو اور روح کفن کی محتاج ہو۔ ظاہری بدن سترِ اطاعت میں ملبوس ہونا چاہیئے اور باطن خوفِ خدا کے تصور سے ملبوس ہونا چاہیئے۔

خداوند کریم کے احسانات کو یاد رکھیں جس نے ظاہری جسم ڈھانپنے کے لیئے لباس کے اسباب خلق فرمائے اور گناہوں اور بدکرداری کے عیب کو چھپانے کے لیئے توبہ و انابت کا لباس مقرر کیا۔ اور اس نعمت کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے۔ خداوند عالم نے تمہارے بڑے بڑے گناہوں پہ پردہ ڈالا ہوا ہے لہٰذا تمہیں بھی کسی کی پردہ دری نہیں کرنی چاہیئے اور ہمیشہ اپنے ہی عیوب پیش نظر رکھنے چاہئیں۔ دوسروں کے پوشیدہ حالات کی جستجو نہیں کرنی چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اپنی زندگی دوسروں کے عمل کی ٹھوہ میں گذار دیں ممکن ہے کہ وہ تو توبہ و انابت کے ذریعہ سے نجات پا جائے اور آپ اسی کی پاداش میں ہلاک ہو جائیں۔ یاد رکھیں کہ اپنے گناہوں کو فراموش کر دینا اللہ کی طرف سے دنیا میں سزا ہے اور آخرت میں باعث و بال ہے۔ انسان جب تک اپنے ہی عیوب کو مدنظر رکھتے ہوئے اطاعت خداوندی میں مصروف رہے گا وہ نجات کا مستحق رہے گا۔ اور رحمت ایزدی کے بحر کرم کا غواص بن کر حکمت کے موتی حاصل کرتا رہے گا۔ اور جب کوئی شخص اپنے گناہوں کو فراموش کر کے دوسرے کے گناہوں کی جستجو کرے گا تو وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہو گا۔

مقامِ نماز

نماز کی جگہ کا انتخاب کرتے وقت یہ سوچیں کہ آپ نے کائنات کے سلطان اعظم کے حضور حاضر ہونا ہے اور آپ نے اس کے حضور اپنی عاجزی و ناتوانی کو بیان کرنا ہے اور مالک الملک سے مناجات کرنی ہے اور اس سے رضا کی درخواست کرنی ہے لہذا اس مقصد کے لیئے ایسے مقام کا چناؤ کریں جو اس مقصد کے لائق ہو۔ مساجد یا ائمہ طاہرین کے عتبات عالیہ اگر میسر ہو سکیں تو سب سے بہتر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالی نے مساجد اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے عتبات عالیہ کو محلِ اجابت اور مقامِ قبولیت اور اپنی مرضات و مغفرت کا معدن قرار دیا ہے۔

اب آپ مکمل آرام و وقار، خشوع و انکسار کا پیکر بن کر نماز پڑھنے کے لیئے روانہ ہوں اور خداوند کریم سے یہ سوال کریں کہ وہ تمہیں اپنے عباد مخلصین میں جگہ عطا فرمائے۔ اور تمہیں تمہارے پیش رووں سے ملائے۔ خدا کے حضور کھڑا ہوتے وقت یوں محسوس کرو گویا تم پل صراط پر کھڑے ہو چکے ہو۔ جہاں قدم کی ایک معمولی لغزش دروزخ کی اتاہ گہرائیوں میں ڈال سکتی ہے اور جہاں قدموں کا صحیح سفر جنت میں بھی پہنچا سکتا ہے۔ لہذا بیم و رجا قبولیت و عدم قبولیت کی کیفیت لے کر کھڑے ہو جائیں اس تصور سے تمہارے اندر خضوع پیدا ہو گا اور تم رحمت الٰہی کے قابل ہو سکو گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ۔اذابلغت باب المسجد فا علم انک قصدت ملکا عظیما لا یطا. بساطه الا المطهرون و لایوذن لمجالسته الا الصدیقون . جب تم مسجد کے دروازے پر پہنچو تو سوچو کہ تم ایک عظیم بادشاہ کے دربار میں حاضری دینے جا رہے ہو جس کے فرش پر مطہرین ہی قدم رکھ سکتے ہیں اور جس کی ہم نشینی صرف صدیقین ہی کو ہی میسر ہے۔

لہذا تمہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ کہیں اپنی غفلت کی وجہ سے عتابِ شاہی کی لپیٹ میں نہ آجاؤ۔ اور یہ بھی ذہن میں

دیکھو کہ وہ سلطان ذی جود اگر چاہیے تو اپنے فضل و کرم سے تمہاری معمولی اطاعت کو بھی شرف قبولیت عطا فرمائے اور اگر عدل کے میزان میں تیری عبادت تولنا چاہیۓ ۔ تو تیری پوری زندگی کی عبادتوں کو مسترد کر دے کیونکہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ۔

اب جب کہ آپ اللہ کی بندگی اور اس سے محو مناجات ہونے کا ارادہ کر چکے ہیں تو اس کے حضور اپنی عاجزی و کوتاہی اور احتیاج کا اعتراف کریں اور اپنے دل سے ان تمام موانع کو دور کر دیں جو دل کے اخلاص میں رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں ۔ کیونکہ خداوند عالم صرف اسی عبادت کو قبول کرتا ہے جو طاہر و خالص ہو ۔

اب اگر تمہارا قلب مناجات کی حلاوت و لذت محسوس کرنے لگے تو سمجھ لو کہ دربار احدیت میں تمہیں آنے کی اجازت مل گئی ہے ۔

لیکن اگر دل میں پھر بھی نرمی محسوس نہ ہو تو ایک بے بس غلام کی طرح بار بار اور رو رو کر اپنے خدا سے اذن دخول مانگیں ۔ اب اگر اللہ کو تمہارے دل کی سچائی پر اعتبار ہو گا تو تمہیں اپنی رضا و محبت کے لیئے توفیق عنایت فرمائے گی ۔ کیونکہ اس کی شان کریمی یہ ہے کہ وہ مضطرین کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ۔

امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء و یجعلکم خلفاء الارض ءالہ مع اللہ قلیلا ما تذکرون ۔ بھلا وہ کون ہے جب اسے مضطر پکارے تو دعا قبول کرتا ہے ۔ اور مصیبت کو دور کرتا ہے اور تم لوگوں کو زمین میں اپنا نائب بناتا ہے تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے ؟ (ہرگز نہیں) اس پر بھی تم لوگ بہت کم عبرت و نصیحت حاصل کرتے ہو ۔

وقت نماز

ان الصلواۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا

اوقات نماز کے لیئے آپ یہ بشارت عظمیٰ اپنے ذہن میں رکھیں کہ اوقات نماز اس لیئے قائم کیئے گئے ہیں کہ آپ ان ساعات میں خدمت حق کے لیئے کھڑے ہوں۔ اور خداوند عظیم کے حضور اپنی حاجات پیش کر سکیں اور اس کی اطاعت کے ذریعہ سے دونوں جہانوں کی کامرانی حاصل کر سکیں۔

نماز کا وقت آنے پر آپ کے دل میں سرور اور چہرے پر رونق آنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ وقت آپ کے تقرب کا ذریعہ ہے اور آپ کی کامیابی کا وسیلہ ہے۔ اور اس وقت کا استقبال طہارت و صفائی اور پاکیزہ لباس سے کریں۔ جس طرح سے آپ دنیا کے کسی بادشاہ کے حضور پیش ہوتے ہیں تو صاف ستھرے ہو کر جاتے ہیں۔ اس طرح سے مالک کائنات کے حضور پیش ہونے کے وقت بھی صاف ستھرے ہو کر جائیں۔

اور آپ کو وقار و اطمینان اور خوف و رجا کی صفات سے آراستہ ہو کر جانا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ کی رحمت بے پایاں ہے اور فضل و کرم کرنا اس کا قدیم وطیرہ ہے اور گناہ گاروں کی گرفت بھی اس کا شیوہ عدل رہا ہے۔ اور کوتاہی کرنے والوں کو اپنے دربار سے دھتکار دینا بھی اس کی سنت ہے۔ اسی لیئے خشوع و خضوع، عاجزی اور انکسار کے ساتھ بارگاہ احدیت میں حاضر ہونا چاہیئے۔

آپ اپنے ذہن میں یہ تصور کریں کہ اگر دنیا کا کوئی بادشاہ آپ سے یہ وعدہ کرے کہ وہ فلاں وقت میں آپ کو اپنے مقربین خاص میں شامل کرے گا اور آپ کی جملہ ضروریات پوری کرے گا اور بھرے دربار میں آپ کو خلعت فاخرہ عطا کرے گا اور تم ایک طویل عرصے تک اس کے مصاحب بنے رہو گے۔ تو کیا اس وعدہ کی وجہ سے آپ کو اس وقت کا شدت سے انتظار نہیں ہو گا؟ اور کیا اس سعید ساعت کے لیئے تسبیح روز و شب کے دانوں کو شمار نہیں کریں گے؟ اور جب وہ فرخ روز اور سعید گھڑی آن پہنچے گی تو آپ اپنے دل میں کسقدر خوشی محسوس

قربت ہے ؟

اگر آپ کا جواب اثبات میں ہے تو آئیے اوقاتِ نماز کی قدر کریں کیونکہ ان ساعات میں آپ کا نام علیین کے رجسٹر میں درج ہوتا ہے ۔ اور سجدہ بارگاہ احدیت میں تقرب کا ذریعہ ہے اور اس کی محبت کے حصول کا یقینی وسیلہ ہے ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے ۔ واسجد و اقترب ۔ سجدہ کر اور قریب ہو جا ۔ تو نماز کا وقت عظیم کامیابی کا وقت ہے لہذا آپ کو اس گھڑی کا بے چینی سے انتظار کرنا چاہیئے کہ جس میں آپ کو دونوں جہانوں کی سعادت نصیب ہوتی ہے ۔

یہی وجہ تھی کہ مقصود کائنات حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم بڑی بے چینی سے نماز کے وقت کے منتظر رہتے تھے اور نماز کا وقت جوں جوں قریب ہوتا آپ کے اشتیاق میں اتنا ہی اضافہ ہو جاتا اور جیسے ہی شروع ہوتا تو آپ اپنے موذن بلال سے فرماتے ۔ ارحنا یا بلال ۔ بلال ہمیں راحت پہنچاؤ ۔ تو گویا حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نماز کے وقت سے پہلے والے وقت کو اپنے لیئے شدید تکلیف کا وقت سمجھتے تھے ۔ کیونکہ آپ کو نماز سے ٹھنڈک پہنچتی تھی ۔ اور آپ نے متعدد بار فرمایا ۔ قرۃ عینی فی الصلواۃ ۔ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ۔ اور جب آپ احکم الحاکمین کے حضور پیش ہونے کے لیے جائیں تو اپنی تمام تر کوتاہیوں کو مدنظر رکھیں اور خداوند کریم کے جلال کو بھی پیش نظر رکھیں تو اس سے آپ کے قلب میں خوفِ خدا پیدا ہو گا کیونکہ اپنے اندر خوف محسوس کرنا کاملین کی علامت ہے ۔ اور اور بے خوف رہنا راندہ درگاہ ہونے کی علامت ہے ۔

اور جیسے ہی وقت نماز آئے تو آپ اپنے ذہن میں اللہ کی عظمت و کبریائی اور اپنی حقارت و ناتوانی کا تصور کریں ۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعض ازواج رضی اللہ عنہن سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہم سے گھر میں گفتگو کرتے اور ہم ان سے گفتگو کرتی تھیں لیکن جیسے ہی نماز کا وقت آتا تو حضور علیہ الصلواۃ و السلام کی محویت کا یہ عالم ہو جاتا تھا کہ گویا آپ ہمیں پہچانتے نہ ہوں اور آپ کی ہم سے کبھی جان پہچان تک نہ

رہا ہو۔ حضرت علی علیہ السلام کا طرز عمل یہ تھا کہ جیسے ہی نماز کا وقت آتا آپ لرزنے لگتے تھے۔ آپؑ سے پوچھا گیا کہ امیرالمومنین! نماز کا وقت شروع ہوتے ہی آپ پر کپکپی کیوں طاری ہو جاتی ہے؟ تو آپؑ نے جواب دیے افسوس تمہیں علم نہیں امانت کی ادائیگی کا وقت آن پہنچا اور یہ وہ امانت ہے جسے خداوند عالم نے آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تھا تو وہ اس امانت کے متحمل نہ ہو سکے اور ڈر گئے کہ مبادا ان سے کوتاہی ہو جائے۔

امام علی زین العابدین علیہ السلام جب وضو کرتے تو ان کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ آپ سے کسی نے پوچھ کہ وضو کرتے وقت آپ کے چہرے پر زردی کیوں آجاتی ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا تم کیا جانو کہ مجھے کس کے حضور کھڑا ہونا ہے۔

رہنمایان اسلام کا یہ طرز عمل عظمت الٰہی کو مستحضر رکھنے کی وجہ سے تھا اور نماز کے وقت غیر خدا کے واقف تک نہیں ہوتے تھے یہ سب کچھ اس وجہ سے تھا کہ ان کے قلب و نظر میں خداوند عالم کی عظمت و کبریائی کا تصور بدرجہ اتم موجود تھا۔

آذان

جب آپ آذان کی آواز سنیں تو اپنے دل میں روز قیامت کے قائم ہونے کی منادی کا تصور کریں اور اپنے ظاہر و باطن میں اس آواز پر لبیک کہنے کے لیئے جلدی کریں ۔ کیونکہ اس نداء پر جلدی لبیک کہنے والے ہی لطفِ پروردگار کے حقدار ٹھہریں گے ۔

آپ آذان کے بلاوے پر اپنے قلب کو پیش کریں اگر آپ اپنے قلب کو خوشی و مسرت سے لبریز پائیں تو سمجھ لیں کہ آپ کو روزِ قیامت کی کامیابی کی بشارت دی جا رہی ہے ۔ اور کلماتِ آذان پر توجہ فرمائیں کہ اس کی ابتداء و انتہاء اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور توحید پر ہو رہی ہے تو اس سے آپ کو یہ سبق ملنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے ۔ لہذا آپ اللہ اکبر کی صدا پر دل و جان سے ایمان لاتے ہوئے دنیا ومافیھا کو حقیر جانیں کیونکہ جب آپ زبان سے اللہ اکبر کہتے ہیں تو اس کا مفہوم یہی ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے اگر خدا نخواستہ آپ کے ذہن میں دنیا اور متاعِ دنیا کی زیادہ اہمیت ہو گی تو آپ اللہ اکبر کہنے میں کاذب ہوں گے ۔

اللہ اکبر کی صدائے حق سنتے ہی کائنات کی ہر چیز کو پست سمجھیں اور اللہ کو ہی ہر چیز سے بلند و برتر سمجھیں ۔ اور جب آپ اشھد ان لا الہ الا اللہ سنیں تو تمام معبود دانِ باطل کی نفی کریں اور جب آپ اشھد ان محمد ارسول اللہ کہیں یا سنیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عظمت کے سامنے آپ کی نگاہ ادب سے جھک جانی چاہیئے اور دل کی گہرائیوں سے انؐ کی رسالت کی گواہی دیں تاکہ آپ عنداللہ صادق قرار پائیں ۔ ورنہ منافقین نے بھی تو اپنی زبان سے آپؐ کی رسالت کی گواہی دی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ جانتا ہے کہ تو میرا رسول ہے لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں ۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر درود پڑھیں[۱] ۔

۱ ۔ اذان و اقامت میں سرکار ولایت امیر المومنین علی علیہ السلام کی گواہی دینا ضروریاتِ تشیع میں سے ہے ۔

اور جب آپ حی علی الصلواۃ اور حی علی الفلاح اور حی علی خیر العمل کی صدا سنیں تو یاد الٰہی کی تیاری کریں ۔ اس کے بعد پھر اللہ کی بزرگی کو دوبارہ بیان کرنے کے لیئے اللہ اکبر کہیں اور آذان کا اختتام پھر کلمہ توحید پر کریں ۔

خداوند عالم کے ذکر سے آذان کا آغاز اور اسی کے ذکر پر ہی آذان کا اختتام اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ کائنات کا مبدا بھی اللہ تعالی ہے اور کائنات کی بازگشت بھی اسی کی جانب ہے اور کائنات کی تمام تر قوت و طاقت کا سرچشمہ وہی ذات حق ہے اور یہی لاحول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کا مفہوم ہے ۔

قبلہ

قد نری تقلب وجھک فی السماء فلنو لینک قبلۃ ترضا ھا فول وجھک شطر المسجد الحرا

وحیث ما کنتم فولوا وجو ھکم شطرہ۔

ترجمہ:۔ بے شک تمہارا بار با آسمان کی طرف منہ کرنا ہم دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور تم کو ایسے قبلہ کی طرف پھیر دیں گے کہ تم راضی ہو جاؤ گے تو تم مسجد محترم کی طرف منہ کر لو اور تم جہاں کہیں بھی ہو اس کی طرف اپنا منہ کیا کرو۔

استقبال قبلہ سے مراد یہ ہے کہ نماز کے وقت آپ اپنا چہرہ قبلہ کی جانب کریں۔ رو بقبلہ ہونے کے لیئے صرف چہرے کو ہی قبلہ کی جانب کر لینا مقصود نہیں ہے بلکہ قلب کو بھی جملہ امور سے ہٹا کر امر الہی کی جانب متوجہ کرنا مقصود ہے۔

روبقبلہ ہونا ایک ظاہری علامت ہے اور اس کا حقیقی مقصد باطن کو متحرک کرنا ہے۔ قبلہ کی جانب رخ کرنا در حقیقت دل کو رضائے الہی کی جستجو کی طرف متوجہ کرنے کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے اور ایک جہت کی طرف منہ کرنے سے اعضاء و جوارح کو ضبط و تسکین بھی ملتی ہے اگر ضبط و تسکین نہ ہو تو پھر اعضاء کی حرکت کی سمت کا تعین ہی باقی نہیں رہے گا اور یوں دل کو یکسوئی نصیب نہ ہو سکے گی۔ اس لیئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔ اما یخاف الذی یحول وجھہ فی الصلاۃ ان یحول اللہ وجھہ وجہ حمار. نماز میں ادھر ادھر منہ کرنے والے کو اس بات کا ڈر کیوں نہیں ہوتا کہ اللہ اس کے چہرے کو گدھے کے چہرے سے بدل ڈالے۔ اس حدیث میں تجلیات الہی سے روگردانی کرنے سے ڈرایا گیا ہے کہ حالت نماز میں دائیں بائیں نظر کرنے والا اللہ تعالی کے انوارِ کبریائی کے مطالعہ سے لاپرواہی کر رہا ہوتا ہے۔ اور جو شخص ایسا کرتا رہے تو اس پر ہمیشہ غفلت طاری ہو جاتی ہے اور اس طرح کا غافل قلب عالم بالا کے امور کے ادراک اور

تقرب الٰہی سے ایسا ہی بے بہرہ رہتا ہے جس طرح سے کسی گدھے کا دل غافل رہتا ہے۔ انسان دوسری جہات سے منہ موڑے بغیر رو بقبلہ نہیں ہو سکتا اسی طرح سے ماسوی اللہ سے روگردانی کیئے بغیر دل بھی اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔

اس لیئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اذا اقام العبد الی صلاتہ فکان ھواہ و قلبہ الی اللہ تعالی انصرف کیوم ولدتہ امہ۔ جب کوئی بندہ نماز میں کھڑا ہو اور اس کی خواہش اور قلب خداوند عالم کی جانب ہو تو جب وہ نماز پڑھ کر فارغ ہو گا تو گناہوں سے ایسے ہی پاک ہو گا جیسے وہ پیدائش کے دن پاک تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اذا استقبلت القبلۃ فایس من الدنیا و مافیھا و الخلق وما ھم فیہ واستفرغ قلبک عن کل شاغل یشغلک عن اللہ وعاین بسرک عظمۃ اللہ۔ جب تم قبلہ کی طرف منہ کرو تو دنیا و مافیہا اور مخلوق اور ان کے حالات سے یکساں لاتعلق ہو جاؤ اور مشاہدہ حق کے موانع سے اپنے دل کو پاک کر لو اور اپنے نور باطن سے عظمت الٰہی کا دیدار کرو۔ اور خداوند عالم کے دربار میں کھڑا ہوتے وقت اپنے اس کھڑے ہونے کا تصور کرو جب تمہیں روز قیامت اپنی تمام تر کوتاہیوں سمیت حاضری دینی ہو گی اور اپنے آپ کو خوف و رجا کے درمیان پاؤ۔ جب تم تکبیرات پڑھو تو عظمت الٰہی کا تصور کرو اور اپنے نفس کو حقیر جانو اور رب العالمین کی عظمت کے سامنے اپنی عبادت کو ناکارہ سمجھو اور پورے خلوص قلب سے حق عبادت کے ادا نہ ہونے کا اعتراف کرو۔

جب آپ اللھم انت الملک الحق المبین لا الہ الا انت سبحانک وبحمدک پڑھیں تو اس وقت خداوند عالم کی عظیم سلطنت و قدرت اور تمام عوالم پر اس کی حکمرانی کا تصور کریں۔ اور اس کے ساتھ اپنی کم بضاعتی اور بے مائیگی کا احساس کرتے ہوئے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہیں۔ عملت سوء و ظلمت نفسی فاغفر لی انہ لایغفر الذنوب الا انت۔ (میں نے غلط کام کیئے اور میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا

مجھے معاف کر دے کیونکہ تیرے سوا کوئی اور گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا) ان الفاظ کی ادائیگی کے بعد تصور کریں کہ اس احکم الحاکمین نے تمہیں اپنی بارگاہ میں بلایا ہے اور عالم تصور میں اپنے آپ کو اس کے سامنے کھڑا ہوا پائیں اور اسے اپنے قریب خیال کریں جو پکارنے والے کی ہر پکار کو سن رہا ہے اور اس کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نواز رہا ہے اور دنیا و آخرت کی سعادت اسی کے پاس ہے پھر اس تصور کے پیدا ہوتے ہی کہیں لبیک وسعدیک و الخیر فی یدیک . ان کلمات کے بعد آپ (فعال شر سے اللہ کی پاکیزگی بیان کریں اور اس سے ہدایت و ارشاد کا سوال کرتے ہوئے کہیں ۔ والشر لیس الیک والمھدی من ھدیت . اور اس کے بعد اپنی عبدیت کا اعتراف کریں اور یہ عرض کریں کہ آپ اپنے وجود بقاء میں ہر وقت اسی ذات حق کے ہی محتاج ہیں اور اس حقیقت کو ان الفاظ سے بیان کریں ۔ عبدک و ابن عبدیک منک و بک و لک والیک .
یعنی اس غلام اور غلام زادے کا وجود تیری مرہون منت ہے اور میری بقا بھی تیری وجہ سے ہے اور اس میں تیری ہی ملکیت ہوں تو میرا مالک ہے اور میری بازگشت تیری ہی جانب ہے ۔

اسی نکتہ کو قرآن مجید میں ان الفاظ سے ادا کیا گیا ہے ۔ وھو الذی یبدا الخلق ثم یعیدہ و ھوا ھون علیہ ولہ المثل الاعلی فی السموات والارض و ھو العزیز الحکیم ۔

اور وہ ایسا قادر مطلق ہے جو مخلوقات کو پہلی بار پیدا کرتا ہے اور پھر دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے اور سارے آسمان و زمین میں سب سے بالاتر اسی کی شان ہے اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے ۔

پھر اس مقام سے آگے معارف و حقائق میں ترقی کرتے جائیں اور عالم اعلیٰ سے فیض حاصل کرتے جائیں کیونکہ آپ کے محل قابل ہونے کی دیر ہے مبداتو روز اول سے ہی فیاض ہے اور اپنے ہاں حاجت لے کر آنے والوں کو بے نیل و مرام رکھنا اس کی شان کریمی کے منافی ہے ۔

آیئے مل کر دعا کریں کہ پروردگار ہمیں اپنے اسرار کی تجلیات کی قبولیت کے لائق بنا اور اپنے مشاہدہ انوار کی ہمیں توفیق عنایت فرما۔

فصل دوم

افعال نماز کا بیان

افعال نماز آٹھ ہیں۔

الاول :۔ قیام کی صورت میں وظیفہ قلب یہ ہے کہ قیام کے وقت آپ کو یہ تصور کرنا چاہیئے کہ آپ خداوند علیم کے روبرو کھڑے ہیں اور وہ آپ کے ظاہر و باطن سے اطلاع رکھتا ہے۔ آپ کے دل میں پیدا ہونے والے تمام تر خیالات سے واقف ہے اور وہ شہ رگ سے بھی آپ کے زیادہ قریب ہے۔ لہذا آپ کو چاہیئے کہ اس کی عبادت اس انداز سے کریں گویا آپ اسے دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہ مرتبہ نصیب نہ ہو تو کم از کم یہ تصور کریں کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے جس طرح سے آپ نے اپنے جسم کو خدا کے حضور حاضر کیا ہے۔ اسی طرح سے اپنے قلب کو بھی اللہ کے حضور حاضر کریں اور اپنے بدن کے سب سے بلند ترین عضو یعنی اپنے سر کو جھکا کے کھڑے ہو جائیں اور اپنے دل میں خشوع و خضوع کی صفت پیدا کریں۔ اور ہر قسم کے تکبر و نخوت کو اپنے ذہن سے نکال دیں۔ اپنے سر کی طرح اپنے قلب کو بھی درگاہ ایزدی میں جھکائیں دنیا کے سلاطین کے دربار میں عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس سے مخاطب ہونے والا بڑے ادب و احترام خشوع و خضوع سے گفتگو کرتا ہے اور بعض اوقات متکلم کے جسم پر ہیبت شاہی سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور اس کی زبان لڑکھڑانے لگ جاتی ہے۔ تو جب دنیا کے ایک عام سلطان کے سامنے گفتگو کرنے والے کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو تھوڑا سا غور کریں کہ آپ تو مالک الملک سے مخاطب ہونا چاہتے ہیں۔ آپ نے جبار و قہار و مہیمن خدا سے ہم کلام ہونا ہے تو بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ پر کم از کم وہ اثرات تو مرتب ہونے ہی چاہیں جو ایک سلطان سے ہم کلام ہوتے وقت مرتب ہوتے ہیں۔ اس سے آپ میں خوف کی صفت پیدا ہوگی۔ اور عظمت خداوندی کے تصور سے آپ میں رجاء (امید) کی صفت پیدا ہوگی۔

درج بالا مثال کے علاوہ ہمارا ایک اور بھی مشاہدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص یہ محسوس کرے کہ اس کی قوم کا ایک صالح اور معزز شخص اس کی نماز کو دیکھ رہا ہے تو وہ نماز کو احسن انداز سے پڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ شخص اس کی طمانیت کی توصیف و تعریف کرے۔ تو اس شخص کو اپنی قلبی کیفیت پر غور کرنا چاہیئے اور اسے چاہیئے کہ اپنے دل و دماغ کو یہ بات سمجھائے کہ اے نفس! امارہ! تیری غلط کاری کی تو کوئی حد ہی نہیں ہے کہ اپنے جیسے ایک شخص کا تو تیرے ذہن میں حیاء وجود ہے اور خداوند احکم الحاکمین کا تیرے دل میں کوئی حیا نہیں اور مخلوقات میں سے ایک فرد کا تو لحاظ ہے لیکن خالق کائنات کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔ تو ایسے شخص کا تو ادب کرنا چاہتا ہے جو تیرے نفع و نقصان پر قادر نہیں ہے۔ اور علی کل شی قدیر خدا کا کوئی ادب نہیں ہے۔

اے نفس امارہ! تیری طغیانی و جہالت نے تجھے کس قدر سرگرداں کر دیا ہے اور تو اپنی ہی دشمنی میں کسقدر اندھی ہو چکی ہے لہذا تمہیں بندوں سے نہیں بلکہ اللہ سے خوف زدہ ہونا چاہیئے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کسی نے پوچھا تھا کہ ہمیں خدا سے کتنی حیاء کرنی چاہیئے؟ تو آپ نے فرمایا یستحی منه کما یستحی من رجل صالح من قومه. جس طرح سے اپنی قوم کے نیک انسان سے حیاء کی جاتی ہے اسی طرح اللہ سے حیا کرے۔ انسان کو مصلائے عبادت پر حضور قلب سے کھڑا ہونا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ ان الله مقبل علی العبد مالم یلتفت. اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر متوجہ نہ ہو۔ نماز میں آنکھ اور سر کو ادھر ادھر ہونے سے بچانا ضروری ہے۔ اسی طرح سے اپنے باطن کو نماز کے علاوہ دوسرے امور میں التفات کرنے سے بچانا بھی لازمی ہے۔ اگر دل حالت نماز میں ادھر ادھر بھٹکنے لگے تو دل کو یاد دلاؤ کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور اس مناجات کی اہمیت اور قدر و قیمت نہیں ہے جو بے دلی سے کی جائے۔

آپ اپنے اندر جتنا باطنی خشوع پیدا کریں گے اتنا ہی آپ کے اندر ظاہری خشوع پیدا ہو گا۔ کیونکہ ظاہری حالت باطنی حالت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نمازی کو دیکھا وہ دوران نماز اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا تو آپ نے فرمایا۔ اما ھذا لو خشع قلبہ لخشعت جوارحہ اگر اس شخص کے قلب میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء و جوارح میں بھی خشوع پیدا ہوتا کیونکہ رعیت اپنے راعی کے تابع ہوتی ہے۔ اس لیئے آپ کی ایک دعا میں یہ الفاظ وارد ہیں۔ اللھم اصلح الراعی والرعیۃ پروردگار! راعی اور رعیت کی اصلاح فرما اس دعا میں قلب کو راعی (نگہبان) کہا گیا ہے اور اعضاء و جوارح کو اس کی رعیت کہا گیا ہے۔ وہ تمام آداب جو بادشاہان دنیا کی ملاقات کے لیئے ضروری ہیں مناجات خداوندی کے لیئے ان تمام آداب کی پاسداری ضروری ہے کتنا ہی مقام حسرت و افسوس ہے کہ ایک انسان اپنے جیسے انسان کے سامنے تو بڑے اخلاص و خشوع سے کھڑا ہو لیکن رب الارباب کے حضور بڑی بے توجہی اور لاابالی کے عالم میں کھڑا ہو۔ یہ سب کچھ اس لیئے ہے کہ ایسے شخص کو جلال پروردگار سے آگاہی حاصل نہیں ہے اور شاید وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کو اس کے قلب و باطن کی خبر نہیں ہے۔

نیـــــت

انما الا عمال بالنیات

اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ (الحدیث)

نیت سے مراد وہ ارادہ ہے جس سے آپ امر خداوندی پر لبیک کہنے کی غرض سے نماز قائم کرتے ہیں۔ اور یہ ارادہ کرتے ہیں کہ نماز کے اختتام تک اپنی نماز کو تمام مفسدات سے محفوظ رکھیں گے۔ اور مزید یہ کہ آپ یہ نماز خالص اللہ کے لیئے قائم کر رہے ہیں اور اس سے آپ کی غرض ثواب اور قربت ایزدی ہے۔

واضح ہو کہ نیت کے لحاظ سے عبادت تین قسم کی ہے:۔

۱۔ عذاب کے خوف سے عبادت کرنا اور یہ غلاموں کی عبادت ہے۔

۲۔ جنت اور نعیم جنت کے شوق میں عبادت کرنا اور یہ تاجروں کی عبادت ہے۔

۳۔ خالص اللہ کے لیے عبادت کرنا اور یہ آزاد بندوں کی عبادت ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنی مناجات میں عرض کیا کرتے تھے۔ رب ما عبدتک خوفاً من نارک و لا طمعا فی جنتک بل وجدتک اهلا لذلک فلذا عبدتک۔

پروردگار! میں نے تیری دوزخ کے خوف سے تیری عبادت نہیں کی اور تیری جنت کے طمع میں بھی تیری عبادت نہیں کی میں نے تجھے عبادت کے قابل پایا اسی لیئے تیری عبادت کی۔ اگر آپ کو آزاد بندوں کی عبادت نصیب نہیں ہے تو کم از کم تجار کی عبادت کو حاصل کرنے کی کوشش کریں کیونکہ تاجر معاوضہ کے لیئے عمل کرتا ہے۔ اور اگر آپ کو یہ رتبہ بھی نصیب نہیں ہے تو کم از کم غلاموں کی عبادت سے تو اپنے آپ کو محروم نہ کریں۔ کیونکہ غلام اپنے آقا کی فرمانبرداری محض اس لیئے کرتے ہیں کہ نہ کرنے کی صورت میں آقا انہیں سزا دے گا۔ نیت کرتے وقت یہ نکتہ ہمیشہ ذہن نشین رکھیں کہ اللہ تعالی کا ہی احسان ہے کہ اس نے تجھ جیسے کم ظرف انسان کو نماز کی

توفیق بخشی ہے ۔اپنے ذہن میں مناجات کی قدروقیمت کو بلند و برتر سمجھیں اور ہمیشہ یہ دیکھتے رہیں کہ آپ کس سے مناجات کر رہے ہیں اور کن الفاظ سے اس ذات پاک سے محو گفتگو ہیں ۔ نیت کے وقت تمہاری پیشانی گناہوں پر خجالت محسوس کرتے ہوئے عرق آلود ہونی چاہیئے ۔ اور ہیبت سے تمہارے اعضاء پر کپکپی طاری ہونی چاہیئے اور خوف خدا سے تمہارا چہرہ زرد ہوناچاہیئے ۔

جیسا کہ سابقہ اوراق میں ہم نے ازواج نبیؐ کا یہ بیان نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ حضور اکرم ہم سے گفتگو کرتے اور ہم ان سے گفتگو کرتی رہتی تھیں لیکن جیسے ہی نماز کا وقت آتا تو آپ ہمیں پہچانتے تک نہ تھے ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ۔ اخلاص قبولیت کی چابی ہے اور اخلاص کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ انسان پوری طاقت سے عمل بجا لائے اور اس کے ساتھ یہ سمجھے کہ اس عمل کی اللہ کے نزدیک کوئی قدروقیمت نہیں ہے اور پھر اپنے عمل کے صلہ کا طالب نہ ہو ۔ اور اگر کوئی اللہ سے اپنی عبادت کا صلہ طلب کرتا ہے تو وہ مخلص نہیں ہے ۔

اس دنیا میں مخلص کی کم از کم جزاء گناہوں سے پاکیزگی ہے اور آخرت میں دوزخ سے نجات اور جنت کا حصول ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ۔ سچی نیت والا انسان قلبِ سلیم کا مالک ہے ۔ قلبِ سلیم وہ ہے جو تمام امور میں اللہ کی رضا کو پیش نظر رکھے ۔

اللہ تعالی نے قلب سلیم کے مالک کو کامیابی کی بشارت دی ہے ۔ یوم لاینفع مال ولابنون الامن اتی اللہ بقلب سلیم ۔ جس دن مال اور اولاد فائدہ نہ دیں گے سوائے اس کے جو خدا کے سامنے پاک دل لے کر پیش ہو ۔ نیت کا تعلق قلب سے ہے اور قلب میں جتنی معرفت و ایمان موجود ہو گا نیت بھی اسی کے مطابق ہو گی ۔ نیت صادق جبھی ممکن ہے جب نفس اور خواہشات عظمتِ الہی کے زیر اثر ہوں ۔ بصورت دیگر خالص نیت نا ممکن ہے ۔

تکبیرۃ الاحرام

اللہ اکبر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تمام چیزوں سے بڑا ہے۔ یا یہ کہ وہ اس سے بلند و برتر ہے کہ اس کی وصف بیان کی جاسکے یا یہ کہ وہ اس سے بلند و بالا ہے کہ اس کا ادراک حواس سے کیا جائے۔ یا یہ کہ اللہ اس چیز سے بہت بلند ہے کہ اس کا قیاس لوگوں سے کیا جائے۔

جب آپ زبان سے اللہ اکبر کہہ رہے ہوں تو آپ کا دل بھی آپ کی تصدیق کر رہا ہو ورنہ اگر کوئی چیز آپ کے دل میں اللہ سے بھی زیادہ بلند و برتر ہوگی تو پھر یاد رکھیں کہ اللہ کی گواہی یہ ہے کہ آپ جھوٹے ہیں۔ اگرچہ کلام سچی ہے جس طرح سے اللہ نے منافقین کو کاذب کہا باجودیکہ کلام برحق تھا۔ اگر آپ خدانخواستہ امر الٰہی سے زیادہ اپنی خواہشات کو اہمیت دیتے ہیں اور فرمان خداوندی پر عمل کرنے کی بجائے اپنی خواہشات پر عمل کرنے کو ترجیح دیتے ہیں تو یاد رکھیں وہی خواہشات ہی آپ کا معبود ہیں جب دل میں خواہشات کی کبریائی کا تصور ہو اور فقط زبان سے اللہ اکبر کہہ بھی دیا جائے تو یہ فقط زبانی کلامی بات ہوگی۔ لہذا اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں صرف زبان سے ہی اللہ اکبر نہ کہیں بلکہ دل و دماغ بھی اسی میں زبان کے موید ہونے چاہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اذا کبرت فاستصغر مابین السموات العلا والثریٰ دون کبریائہ فان اللہ تعالی اذا اطلع علی قلب العبد وھو یکبرو فی قلبہ عارض عن حقیقۃ تکبیرہ قال یاکاذب اتخدعنی و عزتی و جلالی لاحرمنک حلاوۃ ذکری ولاحجبنک عن قربی والمسرۃ بمناجاتی۔ جب تم تکبیر کہو تو اللہ کی کبریائی کے سامنے تمام آسمان و زمین تمہیں ہیچ نظر آنے چاہیں۔ کیونکہ جب بندہ تکبیر کہہ رہا ہوتا ہے تو اللہ اس کے قلب کو دیکھتا ہے اگر اس کے قلب میں کوئی چیز اس حقیقت کے منافی ہوتی ہے تو اللہ اس شخص کو خطاب کر کے کہتا ہے۔ اے جھوٹا کیا تو مجھے دھوکا دینا چاہتا ہے؟ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں تجھے اپنے ذکر کی حلاوت سے محروم رکھوں گا اور تجھے اپنے مقامِ قرب سے دور رکھوں

اور تجھے اپنی مناجات سے لطف اندوز نہیں ہونے دوں گا۔ اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے قلب کی حالت کا جائزہ لیں اگر آپ اپنے قلب میں مناجات کی حلاوت محسوس کر رہے ہوں اور آپ کو لطف و سرور محسوس ہو رہا ہو تو یقین جانیئے کہ آپ کی تکبیر تحریمہ بارگاہ احدیت میں مقبول ہو چکی ہے۔ اور اگر خدانخواستہ لذتِ مناجات اور حلاوتِ عبادت سے آپ محروم ہوں تو جان لیں کہ اللہ تعالی نے آپ کی تکبیر تحریمہ کو جھٹلا دیا ہے اور آپ کو اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا ہے۔

دعائے توجہ

تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے توجہ کا پڑھنا مسنون ہے اور اس دعا کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا مسلما وما انا من المشرکین۔

(میں نے باطل سے کترا کر اپنا منہ اس کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں)

واضح ہو کہ یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔ تو آئیے اس عظیم القدر دعا کو پڑھنے کے بعد جائزہ لیں کیا آپ نے بھی اپنا چہرہ واقعی اللہ تعالی کی طرف پھیر دیا ہے؟ یہاں چہرے سے مراد ظاہری منہ نہیں ہے کیونکہ ظاہری منہ کو قبلہ کی سمت میں کرنا ضروری ہے جب کہ اس دعا میں چہرے کو خداوندعالم کی طرف کھینچے جانے کا ذکر ہے اور خداوند کریم کو کسی جہت اور سمت میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔

بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں منہ کا قبلہ کعبہ اور دل کا قبلہ خداوند عالم ہے۔ اور اس دعا میں بھی وجہ سے مراد وجہ قلب ہے ظاہری چہرہ مراد نہیں ہے۔

یہی قلب ہی فاطر السموات والارض خدا کے حضور متوجہ ہوتا ہے اب آپ دیکھیں کیا آپ کا قلب اللہ کی طرف متوجہ ہے یا اپنی خواہشات کی جانب متوجہ ہے؟

کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ نماز کے آغاز میں ہی جھوٹ کے مرتکب ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو خداوند عالم اپنی رحمت کو آپ سے پھیر لے گا اور باقی نماز بھی قبول نہیں کرے گا۔ اور چہرۂ قلب اللہ کی طرف اسی وقت ہی پھر سکتا ہے جب وہ ماسوی اللہ سے منحرف ہو جائے۔ قلب ایک صاف آئینہ کی طرح ہے اس میں بیک وقت ایک ہی صورت آسکتی ہے۔ دو دو صورتیں اس میں نہیں آسکتیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ دنیا و آخرت دو سوکنیں ہیں جب انسان ایک کے قریب ہو گا تو دوسری سے دور ہو جائے گا۔

اگر آپ ہمیشہ کے لیئے اپنے چہرے کو خدا کی طرف متوجہ نہیں کر سکتے تو کم از کم نماز کی حالت میں تو متوجہ رکھیں۔ ممکن ہے کہ باقی وقت کی غفلت اللہ تعالی معاف فرما دے۔ اور جب آپ دعائے توجہ میں "حنیفا مسلما" کے الفاظ کہیں تو آپ اس حقیقت کو ضرور مدنظر رکھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے الفاظ میں مسلم وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلم محفوظ رہیں۔

اگر خدانخواستہ آپ اس صفت سے محروم ہیں تو آپ اس دعا کی ادائیگی میں جھوٹے ہیں۔ لہذا عزم مصمم کر لیں کہ آپ صحیح معنی میں مسلم بنیں گے اور سابقہ کردار پر ندامت محسوس کریں اور خداوند کریم سے مغفرت طلب کریں۔ اور جب آپ "وما انا من المشرکین" کہیں تو اپنے ذہن میں شرک جلی کے ساتھ ساتھ شرک خفی کو بھی لائیں۔ کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت کے ضمن میں فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً و لایشرک بعبادۃ ربہ احدا۔ (جو شخص آرزو مند ہو کر اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونا چاہے تو اسے چاہیئے کہ اچھے کام کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے)

میں ہر اس عمل کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں قربت خدا کی نیت کے ساتھ ساتھ لوگوں کی ثناء کی بھی طلب ہو۔ لہذا جب آپ "وما انا من المشرکین" کہیں تو آپ کو ندامت محسوس کرنی چاہیئے۔ کیونکہ لفظ شرک کا اطلاق قلیل و کثیر دونوں پر یکساں ہوتا ہے۔ اور جب آپ دعائے توجہ کے اس جملہ پر پہنچیں ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین۔ (بے شک میری نماز اور قربانی اور میری زندگی اور موت اللہ رب العالمین کے لیئے ہے) تو آپ اپنے حال پر توجہ کریں کیا واقعی آپ کی موت و حیات صرف اللہ کے لیئے ہے یا آپ کچھ اور مقاصد کے لیئے زندہ ہیں؟ دعائے توجہ کے یہ الفاظ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہیں اور یہ فنافی اللہ کا مقام ہے۔ یعنی میرا اپنا کچھ بھی نہیں میری حرکت، سکون، قیام و قعود، دوستی و دشمنی سب کچھ اللہ کے لیئے ہے اور جب انسان فنافی اللہ کے مقام پر پہنچتا ہے تو بقا باللہ کا مقام نصیب ہوتا ہے۔

قراءت

قراءت میں بہت سے اسرار و رموز پوشیدہ ہیں۔ کیونکہ قراءت میں کلام پروردگار کی تلاوت کی جاتی ہے جو کہ عجیب و غریب اسلوب پر مشتمل ہے قراءت سے مقصود صرف زبان کو ہلانا نہیں ہے بلکہ اس کے معانی و مفاہیم کا ادراک انتہائی ضروری ہے کیونکہ انسان جب کلام الہی کے معنی سے واقف ہو گا تو اسے حکمت و حقائق اور اسرار و رموز ترغیب و ترہیب سے آشنائی حاصل ہو گی۔ آپ تکبیر تحریمہ اور دعائے توجہ کے بعد تعوذ یعنی اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھتے ہیں۔ تو اس تعوذ کے وقت آپ کو یہ حقیقت مدنظر رکھنی چاہیئے کہ ابلیس لعین آپ کا روز ازل سے دشمن ہے اور اس کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ انسان احکام خداوندی سے غافل رہے

لہذا اب جب کہ آپ نے نماز شروع کر دی ہے تو وہ لعین پوری کوشش کرے گا کہ کسی نہ کسی طرح سے آپ کے قلب کو غافل رکھے۔ اور آپ کو بھی اسی لیئے استعاذہ کی ضرورت پیش آئی کہ آپ چاہتے ہیں کہ آپ سے وہ فعل سرزد نہ ہو جس سے ابلیس راضی ہو اور کسی ایسے فعل قبیح کا آپ ارتکاب نہ کر بیٹھیں جو خداوند احکم الحاکمین کی ناراضگی کا موجب ہو۔ اسی لیئے تو آپ نے خداوند عالم کی پناہ چاہی ہے۔ تو اللہ کی طرف سے مطلوبہ پناہ صرف اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کے الفاظ کہنے سے نہیں ملے گی۔

آپ غور کریں کہ ایک شخص باہر کسی کھلے میدان میں کھڑا ہو اور اس میدان میں کوئی دشمن اس پر حملہ کر دے اور اس کے نزدیک اس کے کسی مہربان بادشاہ کا قلعہ بھی ہو اب وہ شخص جس پر حملہ کیا گیا ہے اگر حملہ آور سے کہے کہ میں اس قلعہ کی پناہ چاہتا ہوں تو کیا اس کے ان الفاظ سے اسے پناہ مل جائے گی؟ ہرگز نہیں بلکہ ایسے شخص کو وہ میدان چھوڑ کر قلعہ میں آنا پڑے گا اور پھر اسے پناہ ملے گی۔ تو اسی طرح سے جو شخص شیطان کی پیروی کرتا ہے اور رحمان کی نافرمانی کرتا ہے تو ایسا شخص شیطان کے میدان میں کھڑا ہے۔ ایسا شخص اگر صرف

زبانی اعوذباللہ من الشیطن الرجیم کہتا بھی رہے تو بھی اسے اللہ کے قلعہ میں پناہ نہیں ملے گی۔

خداوند عالم کے مضبوط قلعہ میں اسے اس وقت پناہ ملے گی جب وہ ابلیس کے میدان کو چھوڑ کر اللہ کے قلعہ میں داخل ہو جائے گا۔ اللہ تعالی کا قلعہ لا الہ الا اللہ ہے۔ جیسا کہ مشہور حدیث میں مروی ہے۔ اس قلعہ کا پناہ گزین صرف وہی ہو سکتا ہے جس کا معبود صرف خدا ہو۔ اور وہ شخص جس کی خواہش اس کی معبود ہو تو وہ ابلیس کے میدان میں کھڑا ہے اللہ کے قلعہ میں نہیں ہے۔

حالت نماز میں ابلیس کا ایک مکر یہ بھی ہے کہ وہ نمازی کو فکر آخرت میں مصروف کر دیتا ہے تاکہ نمازی قرآنی آیات کے معانی سے غافل رہے اور ہر طرح کے فکر و تدبر سے محروم رہے۔ نمازی کے لیئے آیات نماز کا سمجھنا انتہائی ضروری ہے اور جو بھی چیز اسے اس امر سے روکے تو وہ ابلیسی وسواس ہے۔ قراءت کرنے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ ایسا شخص جو صرف زبان سے قراءت کرتا ہے اور اس کا دل آیات پر تدبر نہیں کرتا۔

مذکورہ بالا شخص خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہے اور یہ ان افراد میں شامل ہے جن کے لیئے اللہ تعالی نے فرمایا۔ افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا۔ وہ قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے پڑ چکے ہیں۔ ایسے افراد کے لیئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ویل لمن لاکھا بین لحیسیہ ثم لا یتدبر ھا۔ ہلاکت و افسوس ہے اس کے لیئے جو قرآن کو پڑھے اور پھر اس پر غور و فکر نہ کرے۔

۲۔ ایسا شخص جس کی زبان قرآن پڑھے اور اس کا قلب زبان کے پیچھے پیچھے معانی و مطالب کا ادراک کرتا رہے۔ زبان قلب کو قرآن سناتی رہے اور قلب فہم معانی میں لگا رہے یہ "اصحاب الیمین" کا درجہ ہے۔

۳۔ ایسا انسان جس کے قلب میں پہلے معانی کا القاء ہو اور زبان اس کی ترجمانی کرتی رہے یہ "مقربین" کا درجہ ہے۔ ان دونوں درجوں میں بڑا واضح فرق ہے کیونکہ اصحاب الیمین کے قلب کی معلم ان کی زبان ہوتی ہے جب کہ

مقربین کی زبان کا معلم ان کا قلب ہوتا ہے۔

مقربین کی زبان ان کے قلب کی ترجمانی کرتی ہے کیونکہ مقربین کے جسم میں قلب امام ہوتا ہے اور زبان اس کی مقتدی ہوتی ہے۔

سورۃ الفاتحہ

جب آپ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھیں تو اس کے ذریعہ سے قراءت کی ابتدا کے لیے برکت کا تصور کریں اور اس حقیقت کا ادارک کریں کہ تمام امور کی ادائیگی اللہ کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے۔

تسمیہ میں لفظ "اسم" سے مراد مسمیٰ ہے۔ جب تمام امور اللہ کے ہی توسط سے سرانجام پا رہے ہیں تو اس کے نتیجہ میں آپ نے "الحمدللہ رب العالمین" کہا اور جب "الرحمن الرحیم" کہیں تو اللہ کی رحمت کا ذہن میں اجمالی تصور کریں تاکہ رحمت کی وسعت کو دیکھ کر آپ پر امید ہو سکیں بعد ازاں "مالک یوم الدین" کے الفاظ کی ادائیگی کے وقت آپ کے قلب کو تعظیم و خوف کا جذبہ محسوس کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کی مالکیت کو دیکھ کر آپ کے قلب میں اس کی تعظیم اور "یوم الدین" کے ہولناک اور بھیانک مناظر کا تصور کرتے ہوئے آپ کے قلب میں خوف پیدا ہونا چاہیئے۔ پھر "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کی تلاوت سے تجدید اخلاص کریں اور اپنی اطاعت پر ہرگز نازاں نہ ہوں۔ کیونکہ آپ کو جو کچھ بھی اطاعت و عبادت نصیب ہوئی ہے یہ صرف اس کی حسن توفیق کا نتیجہ ہے۔ اب جب کہ آپ اللہ کی حمد و ثنا کر چکے اور اپنی عاجزی کا اعتراف کر چکے اور خداوند عالم سے مدد کے حصول کی درخواست کر چکے تو اب دعاؤں کی اجابت کا وقت آن پہنچا اور گویا در اجابت آپ کے لیئے وا ہو چکا ہے اور خداوند عالم آپ سے آپ کی حاجت پوچھ رہا ہے تو اس مرحلہ پر آپ کو چاہیئے کہ اپنی سب سے اہم ضرورت و حاجت کو بارگاہ احدیت میں پیش کریں اور کہیں "اھدنا الصراط المستقیم" ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت فرما۔ ہمیں وہ راستہ چاہیئے جو ہمیں تیری مرضات کے کوچہ میں لے جائے۔ اور بطور استشہاد ان پاکیزہ ہستیوں کو پیش کریں جن پر فیضان نعمت ہو چکا ہے لہذا کہیں "صراط الذین انعمت علیھم" ان لوگوں کی راہ جن پہ تو نے نعمت کی ہے۔ اور وہ راہ انبیاء، وصدیقین، شہداء و صالحین کی ہے اور راہِ حق کے منکرین اور گمراہوں کے راستہ سے بچنے کے لیئے "غیر المغضوب علیھم

و لاالضالین" ان لوگوں کی راہ پہ نا چلانا جن پہ غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت سے آپ اس حدیث قدسی کے مصداق بن جائیں گے۔ قسمت الفاتحة بینی و بین عبدی نصفین نصفھالی و نصفھا لعبدی۔ میں نے سورۃ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ سورۃ فاتحہ کا نصف حصہ میرے لیئے اور نصف حصہ میرے بندے کے لیئے ہے۔ جب بندہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو اللہ تعالی فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میری حمد و ثناء کی ہے اور سمع اللہ لمن حمدہ کا یہی مفہوم ہے۔ الحدیث

اگر نماز میں اللہ تعالی کے جلال و عظمت کبریائی کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ہوتا تو بھی وہ ذکر مرد مومن کے لیئے غنیمت ہوتا۔

لیکن اللہ کا احسان یہ ہے کہ اس سورۃ مبارکہ میں صرف اللہ کی حمد ہی نہیں بلکہ بندے کی اہم ضروریات کا بھی ذکر موجود ہے۔

اسی طرح آپ سورۃ فاتحہ کے علاوہ اور جس سورۃ کی تلاوت کریں تو دوران تلاوت اس کے معانی و مفاہیم پہ تدبر کریں اس کے امر و نہی پہ توجہ کریں اس کے وعد و وعید کی صدا کو اپنے دل میں اترتا ہوا محسوس کریں۔

جب آیت رحمت سے گذریں تو یہ تصور کریں کہ گویا آپ اہل جنت کو نعمات الہی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ اور جب عذاب پروردگار کی آیت کی تلاوت کریں تو عالم تصور میں اہل نار کی چیخوں کی صدا آپ کے گوش گذار ہونی چاہیئے۔ آیات قرآن معنوی اور روحانی ترقی کا زینہ ہیں اور جنت کے بلند مقامات کے حصول کا ذریعہ ہیں کیونکہ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن قرآن کے قاری سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتے جاؤ اور زینہ بہ زینہ جنت میں بلند ہوتے جاؤ اور اسی طرح سے قرآن پڑھو جیسا کہ دنیا میں پڑھا کرتے تھے۔

تلاوت قرآن قلب حزین کے ساتھ کرنی چاہیئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس کا دل غمگین نہ ہوا اور اس کے دل میں خوف الہی پیدا نہ ہوا تو اس نے اللہ کو حقیر جانا اور سخت نقصان

اٹھایا ۔ تلاوت قرآن کے لیئے انسان کو تین چیزوں کی اشد ضرورت ہے ۔

۱ ۔ قلبِ خاشع ۔ ۲ ۔ آزاد بدن ۔ ۳ ۔ تنہا مقام ۔ کیونکہ جب انسان کا قلب اللہ سے ڈرے گا تو شیطان اس سے بھاگ جائے گا ۔

اللہ تعالی نے فرمایا ہے ۔ فاذا قرأت القران فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔ (جب قرآن پڑھو تو شیطان مردود سے بچنے کے لیئے اللہ کی پناہ طلب کرو) اور جب انسان دنیا کے تمام جھمیلوں کو نظر انداز کرے گا تو اس کا قلب تلاوت قرآن کے لیئے آمادہ ہو گا اور ایسا شخص نور قرآن اور فوائد تلاوت سے محروم نہیں رہے گا ۔ اور جب انسان مذکورہ بالا دونوں صفات سے آراستہ ہو کر کسی تنہائی کے مقام پر اپنے خدا کے حضور محو مناجات ہو گا تو اسے لذت مناجات حاصل ہو گی اور اسے اپنے خداوند سے محو گفتگو ہونے میں سرور نصیب ہو گا ۔ اور جب کسی شخص کو اس لذت کا احساس ہو جاتا ہے تو وہ دنیا کی حکومت و سلطنت کو بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ تصور کرتا ہے اور مقام بندگی کو سلطانی پر ترجیح دیتا ہے ۔ کیونکہ عبادت میں اللہ سے براہ راست تکلم کا اسے شرف حاصل ہوتا ہے اور یوں اسے معراج روحانی کا درجہ نصیب ہوتا ہے ۔ آپ کو قرآن مجید کی تلاوت کے وقت یہ سوچ لینا چاہیئے کہ آپ دنیا کی کوئی عام کتاب نہیں پڑھ رہے بلکہ آپ اپنے رب اکبر کی کتاب کی تلاوت کر رہے ہیں اور آپ ولایت خداوندی کے منشور کو پڑھ رہے ہیں اور اس کے اوامر و نواہی کی تلاوت کرتے وقت خود احتسابی کرتے ہوئے اپنا جائزہ لینا چاہیئے کہ آپ خود ان احکامات پر کس قدر عمل پیرا ہیں ؟ یہ ایک ایسی غالب کتاب ہے جس کے آگے اور پیچھے باطل کا گذر نہیں ہے یہ صاحب حکمت اور لائق حمد خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے ۔

لہذا قرآن کے وعد و وعید پر تدبر کریں اور قرآن کے امثال و مواعظ پر تفکر کریں اور ایسا نہ ہو کہ آپ صرف قرآن کے حروف تک ہی محدود ہو کر رہ جائیں اور قرآن کی حدود کو ضائع کر بیٹھیں ۔

۱

رکـــوع

واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین۔

اور نماز قائم کرو اور زکواۃ ادا کرو اور خدا کے سامنے جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو (القرآن)

جب آپ مقامِ رکوع پر پہنچیں تو اپنے قلب کے سامنے خداوند عالم کی کبریائی اور عظمت کی تجدید کریں۔ اور یہ سمجھ لیں کہ کائنات میں خداوند عالم کی ذات ہی عظیم ہے اور اس واحد لاشریک کے علاوہ ہر چیز خسیس ہے۔ اور رکوع کرنے کے لیئے رفع یدین کریں اور زبان سے اللہ اکبر کہیں۔ اور رکوع میں آپ کا ہاتھوں کو بلند کرنا عذاب الٰہی سے معافی کی طرف اشارہ ہے اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت ہے پھر تواضع و انکساری کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھیں اور پشت کو خم کریں اور یہ عمل کرتے وقت اپنے قلب کو نرم کرنے کی کوشش کریں اور اپنی عاجزی و انکساری کا بھرپور طریقے سے مظاہرہ کریں۔

قلب کو ملائم کرنے کیلئے اللہ کی تنزیہ و تقدیس اور عظمت کا اقرار کرنے کے لیئے سبحان ربی العظیم و بحمدہ کہیں۔ اور اس تسبیح کو زیادہ سے زیادہ پڑھیں کیونکہ اس تسبیح کے تکرار سے آپ کے خضوع و خشوع میں اضافہ ہو گا۔ اور جتنا آپ کا خضوع و خشوع بڑھے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی رفعت و بلندی میں اضافہ ہو گا۔ پھر اللہ کی رحمت کی آس و امید لگا کر "سمع اللہ لمن حمدہ" کہیں اور سیدھے کھڑے ہو جائیں اور اس اجابت کا شکر ادا کرنے لیئے "الحمدللہ رب العالمین" کہیں۔ آپ جب صحیح معنوں میں رکوع کریں گے تو آپ میں تواضع و انکساری پیدا ہو گی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ لایر کع عبد رکوعا علی الحقیقۃ الا زینہ اللہ تعالیٰ بنور بھائہ و اظلہ فی ظلال کبریا تہ و کساہ کسوۃ اصفیائہ۔ جب کوئی بندہ حقیقی طور پر رکوع کرتا ہے تو اللہ اپنے نور سے اسے زینت دیتا ہے اور اپنی کبریائی کے سایہ میں اسے جگہ دیتا ہے اور اپنے اصفیاء کی خلعت اسے پہناتا ہے۔ رکوع پہلے ہے اور سجدہ بعد میں ہے۔ جس نے رکوع کی حقیقت

کو سمجھا وہ سجدہ کے قابل ہوا۔ کیونکہ رکوع میں ادب ہے اور سجدہ میں قرب مضمر ہے اور جو شخص مقام ادب سے
بے بہرہ ہوا اسے مقام قرب نصیب نہیں ہو سکتا۔

لہذا آپ خشوع قلب سے رکوع کریں اور اس کے مقام کبریائی کے سامنے اپنی عاجزی کا عملی اعتراف کریں اور دل میں یہ خوف بھی ہونا چاہیئے کہ مقام راکعین سے کہیں دھتکار نہ دیئے جائیں۔ ربیع بن خیثم کے متعلق مروی ہے کہ وہ ساری رات ایک ہی رکعت میں گذار دیتا تھا اور جب صبح ہوتی تو ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کرتا تھا۔ آہ مخلصین سبقت لے گئے اور ہم بہت پیچھے رہ گئے۔ رکوع میں اپنی پشت کو اچھی طرح سے خم کریں۔ اور اپنے قلب کو ابلیس کے وسواس و مکر سے بچائیں کیونکہ آپ میں جس قدر خضوع و خشوع پیدا ہو گا اتنا ہی آپ کو بارگاہ احدیت میں تقرب حاصل ہو گا۔

سجدہ

و لقد نعلم انک یضیق صدرک بمایقولون فسبح بحمد ربک و کن من الساجدین و اعبد ربک حتی یاتیک الیقین ۔

ترجمہ :۔ اور تم جو ان کی باتوں سے دل تنگ ہوتے ہو ، ہم اس کو ضرور جانتے ہیں تو تم اپنے پروردگار کی حمد سے اس کی تسبیح کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ اور جب تک تمہارے پاس موت آئے اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو (القرآن)

سجدہ خضوع کا سب سے بڑا مرتبہ اور خشوع کا حسین ترین درجہ اور قرب خداوندی کے حصول کا اعلیٰ ترین ذریعہ اور رحمت و کرم کے استحقاق کا موثر ترین وسیلہ ہے ۔

خداوند عالم نے اپنے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کا حکم دیا اور سجدہ کے ذریعہ سے قرب کا وعدہ کیا ہے چنانچہ سورۃ علق کی آخری آیت میں ارشاد ربانی ہے " واسجد و اقترب " سجدہ کر اور قریب ہو جا ۔

لہذا جب آپ سجدہ کرنے کا ارادہ کریں تو حالت رکوع کی بہ نسبت عظمت خداوندی کا زیادہ تصور اپنے ذہن میں پیدا کریں ۔ رکوع سے سیدھے کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہیں اور تکبیر کے ساتھ رفع یدین کریں اور سجدہ کے لیئے جھک جائیں اور سجدہ میں اپنی اشرف ترین پیشانی کو سب سے گھٹیا چیز یعنی خاک پر رکھیں ۔ خاک پر سجدہ کرنا زیادہ بہتر ہے ۔ لہذا آپ کوشش کریں کہ اپنی پیشانی اور خاک کے درمیان کسی تیسری چیز کو حائل نہ ہونے دیں ۔

کیونکہ خاک پہ سجدہ کرنے سے خشوع میں اضافہ ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے شریعت مطہرہ میں کھانے اور پہننے کی اشیاء پر سجدہ کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں متاع دنیا میں سے ہیں ۔ اور انہیں کی وجہ لوگ دنیا کے دھوکے میں مبتلا ہوتے ہیں ۔ جب آپ سربسجود ہوں تو یہ سوچیں کہ آپ نے سر کو خاک پہ رکھ کر اسے اس کے اصل مقام تک پہنچا دیا ہے اور یوں آپ نے فرع کو اصل سے ملا دیا ہے ۔ مٹی ہی سے آپ کی تخلیق ہوئی ہے

اور اسی مٹی میں ہی تمہیں واپس جاتا ہے پھر اسی مٹی سے نکل کر عرصۂ محشر میں حاضر ہونا ہے ۔ اس لیئے سجدہ کرتے وقت یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ تمہارے آغاز و انجام کا اسی مٹی سے تعلق ہے اور ہر رکعت میں اسی لیئے دو سجدے فرض کیئے گئے کہ پہلے سجدے میں تمہیں یہ یاد دلایا جائے کہ تکبر کرنے والے انسان تو کس بات پر نازاں ہے اپنی اصل حقیقت کو دیکھ تیری تخلیق اسی پست مٹی سے ہوئی ہے ۔ اور دوسرے سجدے کے ذریعہ انسان کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ تجھے ہمیشہ زمین کی پشت پر نہیں رہنا ہے ۔ تجھے پیوند خاک ہونا ہے ۔ اسی لیئے اپنے اندر عاجزی و انکساری پیدا کر کیونکہ مٹی کے ڈھیر کو یہ تکبر زیبا نہیں ہے ۔ اللہ تعالی نے فرمایا ۔ منها خلقنا کم و فیها نعید کم و منها نخرجکم تارة اخرٰی ۔ ہم نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں دوسری مرتبہ باہر نکالیں گے ۔

سجدہ میں اللہ تعالی کی بلندی کا تصور کریں اور اپنی زبان سے اس بلندی کا اقرار کرتے ہوئے "سبحان ربی الاعلی و بحمده" کہیں اس تسبیح کا متعدد مرتبہ تکرار کریں کیونکہ ایک مرتبہ کہنے سے قلب پر اس کا زیادہ اثر نہیں ہو گا ۔ جب حالت سجدہ میں قلب میں رقت پیدا ہو جائے تو سجدہ سے اپنا سر اٹھائیں لیکن سر اٹھانے میں تکبر و غرور نہ ہو بلکہ اس میں عجز و انکسار ہو اسی لیئے حکم ہے سر اٹھانے کے وقت اللہ اکبر کہیں تاکہ عظمت خداوندی آپ کے پیش نظر رہے اور سر اٹھا کر اللہ تعالی سے اپنے گناہوں کی مغفرت کی درخواست کریں اور پھر اس تواضع و انکساری کے جذبہ کو مزید بڑھانے کے لیئے دوسرا سجدہ کریں کیونکہ سجدہ کا اضافہ قرب خداوندی میں اضافہ کا موجب ہے ۔ سجدہ حقائق و اسرار کے انکشاف کا ذریعہ اور تجلیات ربانی کا اہم ترین سبب ہے ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ۔ ما خسر و اللہ من اتی بحقیقة السجود و لو کان فی العمر مرة واحدة خدا کی قسم جس شخص نے حقیقت سجدہ کا ادراک کر کے اپنی عمر میں ایک مرتبہ بھی سجدہ کیا تو وہ خسارے میں نہ رہا اور جس نے حقیقت سے غافل ہو کر سجدہ کیا تو اسے فلاح نصیب نہ ہوئی مقصد یہ ہے کہ جس نے ساجدین کی فضیلت سے

بے بہرہ اور سجدہ کے مکمل حقوق سے بے توجہی اختیار کی اور حالت سجدہ میں بھی اس کے قلب میں غیر اللہ ہی بسا رہا تو یہ شخص ہلاک ہو جائے گا۔

لہذا سجدہ میں اپنی مکمل عاجزی کا اعتراف کرنا چاہیئے اور یہ عاجزی اس صورت میں پیدا ہو گی جب انسان یہ سوچے کہ اس کی پیدائش اس مٹی سے ہوئی ہے جو ہر وقت انسانوں اور حیوانوں کے قدموں میں روندی جاتی ہے اور پھر اس کی پیدائش اس نطفہ سے ہوئی جس سے انسانی طبیعت تکدر محسوس کرتی ہے۔ لہذا جس کا آغاز نجس قطرہ اور جس کا انجام ایک مردار وجود کی صورت میں ہو اس کو تکبر و خود پسندی کا حق حاصل نہیں ہے۔

سجدہ اسی لیئے قرب خداوندی کا وسیلہ ہے کہ اس سے انسان کو تکبر و نخوت سے نجات ملتی ہے اور یوں انسان دنیاوی علائق سے بلند ہو کر اپنے خدا کے قریب ہوتا ہے اور انسان جتنا خدا کے قریب ہوتا جائے گا اتنا ہی ماسوی اللہ سے دور ہوتا جائے گا۔

آپ دیکھیں کہ سجدہ میں انسان تمام چیزوں سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور دوران سجدہ وہ اپنے قرب و جوار کی اشیاء کو بھی نہیں دیکھ سکتا سجدہ میں صرف اشیاء کو نگاہوں سے ہی پوشیدہ رکھنا مطلوب نہیں بلکہ دل سے ماسوی اللہ کے نقوش بھی پوشیدہ رکھنے مطلوب ہیں۔

اب اگر کسی شخص کا دل حالت سجدہ میں بھی غیر اللہ سے چمٹا ہوا ہو تو وہ شخص در حقیقت اس چیز کے قریب ہے اور وہ خدا سے دور ہے۔ اور اللہ تعالی نے ہر شخص کو ایک قلب عطا فرمایا ہے۔ اب اگر قلب میں اللہ کی عظمت کا تصور ہو گا تو دنیاوی علائق سے نجات ممکن ہو گی لیکن دل دنیا کے جھمیلوں میں پھنسا ہوا ہے تو وہ دل تجلیات الٰہی سے محروم رہے گا۔ اور اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے۔

ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ اح ۔ اللہ نے کسی شخص کے اندر دو دل پیدا نہیں کیئے۔

تشہد

جب آپ نماز کے عظیم افعال اور عمیق اسرار سے فراغت حاصل کر لیں تو آپ کے دل میں خوف و رجاء کی کیفیت پیدا ہونی چاہیئے ۔ نماز کی قبولیت کے لیئے آپ کو بالکل مطمئن نہیں ہو جانا چاہیئے ۔ اور دل میں ہر وقت یہ کھٹکا رہنا چاہیئے کہ خدا جانے میری نماز محلِ قبولیت تک پہنچی ہے یا نہیں اور اس کے ساتھ فضل خداوندی کا امیدوار ہوتے ہوئے یہ بھی خیال کریں کہ پروردگار عالم کی رحمت بے پایاں ہے اور ممکن ہے کہ وہ آپ کی اس ناقص نماز کو اپنی رحمت کاملہ کے ذریعہ سے قبول فرمالے ۔

اب آپ دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر اطمینان سے بیٹھ جائیں اور اسلام کی بنیاد یعنی کلمہ شہادت کو اپنی زبان سے ادا کریں ۔ شہادتیں کا پہلا حصہ خداوند عالم کی شہادت توحید پر مشتمل ہے اور یہی لا الہ الا اللہ کا کلمہ اللہ تعالی کا وہ مضبوط قلعہ ہے کہ جو بھی اس میں داخل ہوا اسے امن ملا ۔

اسی لیئے اللہ تعالی کی وحدانیت کی گواہی دیں اور اپنے دل میں خواجہ عالمیان رحمت کائنات حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا تصور کریں اور ان کی عبدیت و رسالت کی گواہی دیں ۔

آخر میں محسن انسانیت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ان کی آل پر درود پڑھیں ۔

شہادتیں کی ادائیگی کے وقت اپنے خدا سے تجدید عہد کریں کہ میں ہمیشہ تیرا ہی عبد بن کر رہوں گا ۔ خواہشات کو کبھی بھی اپنا معبود نہیں ٹھہراؤں گا ۔

نماز میں درود شریف کو اس لیئے فرض قرار دیا گیا ہے تاکہ نماز مقام قبولیت تک پہنچ سکے ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ۔ التشہد ثناء علی اللہ تعالی فکن عبداللہ فی السر خاضعا لہ فی الفعل کما انک لہ بالقول والدعوی ۔ تشہد اللہ تعالی کی ثناء ہے لہذا جس طرح سے تم خدا کی بندگی کا ظاہری دعوی کرتے ہو اسی طرح سے باطن میں بھی اس کے بندے بن جاؤ ۔ خلوص نیت سے نماز پڑھو اللہ تعالی

نے تمہیں اپنا عبد بنایا اور تم سے عبودیت کا تقاضا کیا اور فرمایا کہ تم اپنے قلب و زبان و اعضاء سے اس کی عبادت کرو اور اس مالک حقیقی کو اپنا رب سمجھ کر اس کی بندگی کرو اور تمہیں یہ جان لینا چاہیئے کہ مخلوقات کے امور کی باگ ڈور اسی مالک الملک کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس کی قدرت و مشیت کی پابند ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔ وربک یخلق مایشاء ویختار ماکان لھم الخیرۃ سبحان اللہ و تعالی عمایشر کون۔ اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) منتخب کرتا ہے اور یہ انتخاب لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اور جس چیز کو یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں اس سے خدا پاک و برتر ہے۔

تو جس طرح سے اپنی زبان سے عبد ذاکر بنے ہیں اسی طرح سے اپنے فعل سے عبد شاکر بن جائیں۔ اور کامل صدقِ نیت اور خلاصِ قلب سے نماز ادا کریں اور مقام تشہد میں اسی کی وحدانیت کی گواہی دیں اور پھر اس کے حبیب پاک پر درود پڑھیں۔ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا آپ پر حق ہے اور انہوں نے ہی آپ کو راہ حق دکھائی ہے۔ لہذا پوری عقیدت و محبت سے ان پر درود بھیجیں اور اللہ تعالی نے اہل ایمان کو درود بھیجنے کا حکم دیا ہے اور اپنی مخلوق کو بتایا ہے کہ میری محبت اتباع مصطفیٰ میں مضمر ہے۔

لہذا حضور اکرم کی شفاعت کا حقدار بننے کے لیئے ضروری ہے کہ ان کی ذات والا صفات پر درود بھیجی جائے اور ان کے شان رفیع کا تذکرہ کیا جائے۔

اللھم صل علی محمد و آل محمد

سلام

جب آپ تشہد سے فراغت حاصل کر لیں تو اپنے آپ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ملائکہ مقربین کے حضور موجود سمجھتے ہوئے سلام کریں اور کہیں السلام علیک ایھاالنبی و رحمته الله و بر کاته ۔الخ۔
پھر دوبارہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور دوسرے انبیائے کرام اور آئمہ طاہرین اور کراماً کاتبین کا تصور کر کے کہیں السلام علیکم و رحمته الله و بر کاته ۔ اور سلام کرتے وقت ان ہستیوں کا تصور کرنا ازبس ضروری ہے کیونکہ آپ کے ذہن میں جس کا تصور تک نہ ہو تو آپ اسے کیسے مخاطب کر سکتے ہیں ؟
اور بالفرض اگر آپ کسی کو متوجہ کیئے بغیر اس سے گفتگو کرنا شروع کریں گے تو آپ کا یہ فعل عبث قرار پائے گا اور یوں آپ کی نماز درجہ قبولیت تک نہیں پہنچ سکے گی ۔ اور امام کو چاہیئے کہ وہ سلام کرتے وقت ذوات مقدسہ کے ساتھ ساتھ اپنی جماعت کو بھی مدنظر رکھے ۔ اور اسی طرح سے مقتدیوں کے لیئے بھی لازمی ہے کہ وہ بھی اپنے امام کا قصد کریں ۔ اور جب ایسا کریں گے تو آپ حقِ سلام ادا کرنے والے متصور ہوں گے

لفظ ”سلام“ کی تحقیق۔

قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ لفظ سلام کا اطلاق دو معانی پر ہوتا ہے ۔
۱ ۔ اسلامی تحیہ کو سلام کہتے ہیں ۔ اسی لیئے اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ سلام کو رواج دو اور اس سے سلامتی حاصل کرو اور سلام کے جواب کے لیئے رب العزت کا فرمان ہے ۔ واذا حییتم بتحیة فحیو اباحسن منها او ردوها ۔ جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر الفاظ میں تم سلام کر دیا کم از کم وہ الفاظ ہی پلٹا دو ۔
۲ ۔ اللہ تعالی کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم ”سلام“ بھی ہے جس کے معنی سلامتی عطا کرنے والے کے ہیں ۔
نماز میں سلام کا پہلا مفہوم مراد ہے اور یہ اس کا حقیقی معنی ہے ۔

البتہ استعارۃً لفظ سلام سے سلامتی اور عذاب سے امان کا مفہوم مراد لیا جا سکتا ہے تو اس صورت میں مفہوم یہ ہو گا کہ نمازی کو عذاب الہی سے امان مل گئی ہے ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ۔ من ادی امر الله و سنة رسوله صلی الله علیه واله وسلم خاضعا له و خاشعا منه قلبه فله الامان من بلا ء الدنیا و براءة من عذاب الاخرة ۔ جس نے اللہ تعالی کے فرمان اور رسول کریم کی سنت کو خشوع و خضوع سے ادا کیا تو اس کے لیئے دنیا کی آزمائش سے امان اور عذاب آخرت سے نجات مقرر کر دی جاتی ہے ۔ اللہ تعالی نے اپنے اسمائے حسنیٰ میں سے لفظ "سلام" اپنی مخلوقات میں نازل کیا اور اپنی مخلوق میں اس اسم کو ودیعت فرمایا تاکہ اس اسم کی برکت سے باہمی معاملات و امانات اور ایک دوسرے سے میل و محبت پیدا ہو اور اسی اسم کی برکت سے مخلوق ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے ۔ اور اسی اسم سے ہی انسانی معاشرہ قائم ہے اگر آپ صحیح معنوں میں سلام کے حقدار بننا چاہتے ہیں تو اللہ کا تقوی اپنے اندر پیدا کریں اور اپنے دین اور قلب و عقل کو ماضی کی تاریکی سے آلودہ نہ ہونے دیں اور اپنے سیاہ کارناموں سے توبہ کر کے کراما کاتبین کے لیئے سلامتی کا پیغام بن جائیں ۔ بعد ازاں اپنے دوستوں کے لیئے سراپا سلامتی بنیں اور پھر کوشش کر کے اپنے دشمنوں سے بھی مدارات قائم کریں ۔ اگر لفظ سلام کی موجودگی میں نزدیکی بھی سلامتی محسوس نہ کریں تو دور والے سلامتی کی امید کیسے کریں گے ؟

اسی لیئے اگر کوئی شخص صرف زبان سے سلام کرتا رہے اور اس کا عمل اس کی زبان کی مخالفت کرے تو ایسے شخص کو سلام کوئی فائدہ نہ دے گا الٹا اس شخص کا شمار اللہ کے نزدیک منافقین میں سے ہو گا ۔

تتمہ

نماز کی قبولیت کے لیئے خشوع و خضوع از بس ضروری ہے اور نماز کے اختتام پر دل میں نماز کے رد کیئے جانے کا اندیشہ ہونا چاہیئے اور نماز کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

نماز ہمیشہ بایں طور پڑھنی چاہیئے کہ آدمی یہ تصور کرے کہ شاید اس کے بعد مجھے پھر نماز نصیب ہوگی بھی سہی یا یہ میری آخری نماز ہے اس لیئے حدیث شریف میں حکم ہے کہ ہر نماز کو اپنی زندگی کی آخری نماز سمجھ کر پڑھو۔

نماز میں کمی بیشی کی وجہ سے دل میں خجالت و حیاء آنی چاہیئے اور دل میں یہ اندیشہ رہنا چاہیئے کہ کہیں یہ ٹوٹی پھوٹی نماز لپیٹ کر منہ پر نہ مار دی جائے۔ جب آپ یہ سب کچھ سوچیں گے تو ممکن ہے کہ آپ بھی ان "خاشعین" کی فہرست میں داخل ہو جائیں جو اپنی نماز کے محافظ ہوتے ہیں اور جو ہمیشہ اور ہر حال میں نماز قائم کرتے ہیں۔

آپ کو چاہیئے کہ اپنی نماز کا اخلاصِ عمل کے میزان پر وزن کریں۔ اگر پلڑا راجح ہے تو آپ کو خوش ہونا چاہیئے۔ اگر پلڑا اٹھا ہوا ہے تو ابھی سے اصلاح کرنے کی فکر میں لگ جائیں کیونکہ ابھی توبہ کے دروازے بند نہیں ہوئے۔ اور نماز کا جتنا حصہ غفلت کی نذر ہوا اس پہ آپ کو دکھ محسوس کرنا چاہیئے کیونکہ غافل کی نماز ابلیس کی چراگاہ ہے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پہ اپنی رحمت کا سایہ فرمائے۔

اور ہم گناہ گاروں کو اپنی شان کریمی کے صدقے میں معاف فرمائے۔ کیونکہ حق اطاعت ادا نہیں کر سکے اور ہم اپنے اس عاجزانہ اعتراف کو ہی اپنے لیئے وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ نماز کے بعد تعقیبات میں ذکر خداوندی اور دعا کو بہت زیادہ اہمیت دیں۔ اور اپنے پروردگار کے حضور گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگیں کیونکہ اگر محل قابل ہو تو مبدا تو فیاض ہی ہے۔ اس کریم کی رحمت اور کرم کی انتہا ہی نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ احفظ ادب الدعاء وانظر من تدعو و کیف تدعو ولما تدعو الخ۔ دعا کے آداب ملحوظ خاطر رکھو اور بوقت دعا یہ دیکھو کہ کس سے دعا مانگ رہے ہو اور کیسے دعا مانگ رہے ہو

اور دعا میں کیا کچھ مانگ رہے ہو؟ دعا کے وقت دل اللہ کی بارگاہ میں ہمہ تن متوجہ ہونا چاہیئے اور انسان کو حق و باطل اور نجات و ہلاکت کا بھی مکمل علم ہونا چاہیئے تاکہ اللہ سے نادانستگی میں ایسی دعا نہ کر بیٹھے جو اس کی ہلاکت کا موجب ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ویدع الانسان بالشر دعاء ہ بالخیر و کان الانسان عجولاً ۔ انسان اپنی نادانی کی وجہ سے اچھائی کی جگہ برائی کی دعا مانگتا ہے اور انسان بڑا جلد باز ہے۔ دعا اپنی خواہشات کو خداوند کے حضور پیش کرنے کا نام ہے۔ اسی لیئے دعا سے پہلے خوب اچھی سوچ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کرنا چاہیئے جو مفید ہونے کی بجائے مضر ثابت ہو۔ اور دعا کا مقصد یہ بھی ہے کہ انسان اپنے تمام امور اللہ کے سپرد کر دے اور اسی سے اپنی حاجات کی برآوری کی درخواست کرے اگر کوئی شرائط دعا کو لحوظ خاطر نہیں رکھتا تو اسے اجابت کی امید نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور ایسا نہ ہو کہ زبان سے تو ایک چیز کی خواہش کا اظہار کیا جائے اور دل میں اس کو غیر ضروری سمجھا جائے۔

ایک ایسے ہی موقع پر ایک صحابی نے دوسروں سے کہا تھا کہ تم اپنی دعا سے بارش کے نزول کے منتظر ہو جب کہ میں تو آسمان سے پتھروں کی بارش کی آس لگائے بیٹھا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کریم و رحیم ہے اگر وہ ہمیں دعا کا حکم نہ بھی دیتا تو بھی دعا کو رد کرنا اس کی شان کریمی کے خلاف ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں دعا مانگنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔ ادعونی استجب لکم ۔ تم مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کسی نے اسم اعظم کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے جملہ نام یکساں تاثیر کے حامل ہیں بس شرط صرف اتنی سی ہے کہ خلوص دل سے اسے پکارو پھر کسی بھی نام سے پکارو گے تو تمہاری دعا قبول ہو گی۔ اللہ کے تمام اسم اسم اعظم ہیں کیونکہ وہ سارے اس واحد و قہار اللہ کے ہی نام ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ ان اللہ لا یستجیب الدعاء من قلب لاہ ۔ اللہ تعالیٰ غافل دل

سے نکلی ہوئی دعا قبول نہیں کرتا یاد رکھیں: آپ جب بھی آداب دعا کو لحوظ رکھتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے دعا مانگیں گے تو آپ کو تین نعمتوں میں سے ایک نہ ایک نعمت ضرور ملے گی۔

۱۔ یا تو آپ کی حاجت پوری کر دی جائے گی۔

۲۔ یا اس دعا کو روز قیامت کے لیئے ذخیرہ کر دیا جائے گا اور یوں وہ دعا روز آخرت میں گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بن جائے گی۔

۳۔ یا تم سے آنے والی بلاؤں کو دور کر دیا جائے گا۔ اگر وہ دور نہ کی جاتیں تو تم ہلاک ہو جاتے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین۔ جس کو میرا ذکر مجھ سے سوال کرنے سے روک دے، تو اسے میں بلا مانگے اس سے زیادہ بہتر دوں گا جو میں سوال کرنے والوں کو دیتا ہوں۔

صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ میں نے ایک مرتبہ اللہ تعالی سے دعا کرنی چاہی تو ذکر الہی میں اس قدر کھو گیا کہ مجھے وہ حاجت ہی یاد نہ رہی مگر اللہ تعالی نے میری حاجت بلا مانگے پوری فرما دی۔

قارئین محترم! خداوند عالم جواد مطلق ہے۔ خلوص قلب سے اس کے ذکر میں مصروف ہونا جنت نعیم کے مانگنے سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ یقین کیجئے جب آپ اخلاص قلب سے اس کا ذکر کریں گے تو وہ آپ کی حاجات بلا مانگے ہی پوری کر دے گا۔ لیکن ایسا صرف وہی کریں گے جو عالم اور محب اور عارف ہوں گے۔ اور جو محبت خداوندی کی منزل میں کامیابی حاصل کر چکے ہوں گے اور یہ درجہ خواص الہی کو ہی حاصل ہو سکتا ہے عام انسان کو یہ مقام میسر نہیں ہے۔ آپ کو چاہیے دعا کے بعد قرآن مجید کی کچھ آیات کی تلاوت کریں اور آیات الہی کے مفاہیم کو مد نظر رکھ کر خود سازی کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ قرآن کریم کے ظاہری حروف کی تلاوت ہی کافی نہیں ہے بلکہ قرآن کریم کے حدود و اوامر کو بجا لانا بھی انتہائی ضروری ہے۔ اس مقام پر ہم تلاوت قرآن پاک کی بحث کرنے سے

قاصر ہیں کیونکہ اس طرح سے ہم اپنے موضوع سے باہر نکل جائیں گے۔ البتہ چند امور کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں

اول قرآن کی تلاوت حضور قلب اور اس کے علاوہ تمام تفکرات سے آزاد ہو کر کرنی چاہیئے۔

حضرت یحیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا۔ یا یحی خذ الکتاب بقوۃ۔ اس آیت مجیدہ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی تمام ترکدو کاوش سے کتاب کی تلاوت کریں اور تلاوت کتاب کے وقت اپنے ذہن کو دنیا کے تمام تفکرات سے آزاد کر کے کتاب کی تلاوت کریں۔

دوم۔ تدبر۔ حضور قلب کے بعد دوسرا مرحلہ تدبر کا ہے۔ یعنی تلاوت کتاب کے وقت دل حاضر ہوا اور ذہن و عقل آیات کے مفہوم پر غور و فکر کریں۔ بعض لوگ صرف کان سے ہی قرآن سننے کو کافی سمجھتے ہیں اور اس کے معانی و مفاہیم پر غور و فکر نہیں کرتے۔ حالانکہ خداوند عالم نے تمام کائنات کو قرآن میں تدبر کی دعوت دی ہے اور تدبر نہ کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔ جیسا کہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ افلا یتد برون القران ام علی قلوب اقفالھا۔ یہ لوگ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے یا ان کے دلوں پہ تالے لگے ہوئے ہیں۔

ایک اور آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قرآن میں تدبر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔ افلا یتدبرون القران و لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ وہ لوگ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے اگر قرآن ماسوی اللہ کی طرف سے نازل ہوتا تو اس میں وہ بہت سا اختلاف پاتے۔

سورۃ مزمل میں ارشاد خداوندی ہے۔ و رتل القرآن ترتیلا۔ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ مقصد یہ ہے کہ جب انسان آرام آرام سے قرآن پڑھے گا تو مطالب قرآن کی طرف متوجہ ہو سکے گا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔

لا خیر فی عبادۃ لا فقہ فیھا ولا خیر فی قراۃ لا تدبر فیھا۔ اس عبادت میں کوئی بھلائی نہیں جس میں سوجھ بوجھ نہ ہو اور اس قرات میں کوئی بھلائی نہیں جس میں غور و فکر نہ ہو۔

اگر بار بار دہرائے بغیر تدبر ممکن نہ ہو تو پھر آیات کا بار بار دہرانا ضروری ہے ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو یہ آیت بار بار دہراتے ہوئے سنا ۔ ان تعذ بھم فا نھم عبادک و ان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم

پروردگار اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف کر دے تو بے شک تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے ۔

سوچ و بچار :-

قرآنی آیات کے معانی کو سمجھنے کی کوشش کرے ۔ کیونکہ آیات قرآنی میں صفات خداوندی اور افعال پروردگار کا ذکر موجود ہے ۔ قرآن میں انبیائے کرام کی تبلیغی مساعی کا ذکر موجود ہے اور مخالفین کا انجام بھی مذکور ہے ۔ قرآن میں امر بھی ہیں اور نواہی بھی ۔ جنت کا ذکر بھی ہے اور دوزخ کا تذکرہ بھی ۔ قرآن میں وعد بھی ہے اور وعید بھی ۔ محکم بھی ہے متشابہ بھی ۔ عام بھی ہے اور خاص بھی ۔

لہذا قرآنی اسرار کا انکشاف انسان پر اس وقت ہو گا جب انسان سوچ و بچار سے تلاوت کرے گا ۔

یاد رکھیں قرآن اسرار و دقائق اور کنوزِ حقائق پر مشتمل ہے ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں ۔ من اراد ان یعلم علم الا ولین والا خرین فعلیہ بالقران ۔ جسے اولین و آخرین کے علم کا شوق ہو تو اسے قرآن پڑھنا چاہیئے ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا ۔ کہو اگر میرے پروردگار کی باتوں کو لکھنے کے واسطے سمندر کا پانی ہی سیاہی بن جائے تو قبل اس کے میرے پروردگار کی باتیں ختم ہوں ۔ سمندر ہی ختم ہو جائے گا ۔ اگرچہ ہم ویسا ہی ایک اور سمندر اس کی

مدد کو لائیں۔ مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا اگر میں چاہوں تو سورۃ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں اور جو شخص قرآن مجید کے عمومی لغوی معانی بھی نہیں سمجھتا تو ایسا شخص اس آیت کا مصداق ہے اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم - (یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے) اور قرآن مجید کی اس آیت میں بھی ایسے ہی افراد کی مذمت کی گئی ہے۔ افلا یتدبرون القران ام علی قلوب اقفالھا .(وہ قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟)

تفہیم قرآن میں حائل رکاوٹیں

بہت سے افراد فہم قرآن سے اس لیئے محروم ہیں کہ ان کے دلوں پر شیطان نے خواہشات کے پردے آویزاں کر رکھے ہیں اور اسی وجہ سے عجائب قرآن کے ادراک سے قاصر ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے۔ لو لا ان الشیاطین یحومون علی قلوب بنی ادم لنظر وا الی الملکوت۔ اگر بنی نوع انسان کے دلوں میں شیطان چکر نہ لگاتے تو وہ عالم ملکوت کو دیکھ لیتے اور وہ قرآن کے معانی کا ادراک کر لیتے اور عالم ملکوت کے اسرار سے آگاہی حاصل کر لیتے۔

۱۔ مخارج میں پھنس جانا:۔

اور وہ حجابات جو قرآن کریم کے معانی سمجھنے سے مانع ہوتے ہیں ان میں سے ایک حجاب تو تحقیق حروف اور ہمیشہ مخارج اور تلفظ میں مصروف رہنا ہے اور کٹ ملاؤں کی طرح نفس اور قلب کی تمام توجہ تحقیق حروف اور مخارج میں صرف کر دینا اور اسی میں غرق ہو جانا اور قرآن میں گھنٹوں ایک ایک حرف کے مخرج پر رکے رہنا۔ کبھی "غین" گلے میں پھنس گیا اور کبھی ہمزہ اٹک گئی۔ کبھی "خا" کا اچھو ہوا اور "قاف" کا پھندا لگ گیا۔ یہ مرض بھی لوگوں میں کافی ہے۔ بلاشبہ ہر ایک شے جو حد سے تجاوز کر جائے وہ نقصان دہ ہوتی ہے۔

عارفین فرماتے ہیں کہ ایسا کرانے والا شیطان ہے اور اس لعین نے اس بہانے سے قاریان قرآن کو فہم مطالب قرآنیہ سے ہٹا کر مخارج کے گورکھ دھندے میں الجھا دیا ہے اور ہمیشہ وہ الفاظ کے مخارج کے چکر میں ہی الجھے رہتے ہیں اور ان کی فکر و نظر کا مکمل محور مخارج ہوتے ہیں لہذا معانی قرآن سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور قاریان قرآن کو اس چکر میں ڈال کر ابلیس بہت خوش ہوتا ہے۔

۲۔ دل کی تیرگی :-

اور بعض اوقات انسان اپنی خواہشات کا اسیر ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کا قلب سیاہ ہو جاتا ہے اس وجہ سے وہ قرآن عظیم کے معانی سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے دل ایک آئینہ کی مانند ہے اگر آئینہ زنگ آلود ہو جائے تو اس میں تصویر دھندلی ہو جاتی ہے اگر زنگ زیادہ گہرا ہو جائے تو پھر اس آئینہ میں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اسی طرح سے جب دل پر خواہشات نفسانی کا زنگ چڑھ جائے تو اس دل میں قرآن کے معانی داخل نہیں ہو سکتے اور خواہشات کا زنگ جتنا گہرا ہوتا جائے گا انسان اتنا ہی اپنے خدا سے دور ہوتا جائے گا اور ایسا دل تجلیات الٰہی کے قابل نہیں ہوتا۔

اسی لیئے سرور کائنات رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ الدنیا والا خرۃ ضرتان بقدر ما یقرب من احدیھما تبعد عن الا خری ۔ دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں جتنا کوئی شخص ایک قریب ہو گا اتنا ہی دوسری سے دور ہو گا۔

الخامس :-

تلاوت قرآن کے وقت یہ تصور کرنا چاہیئے کہ قرآن براہ راست اس سے مخاطب ہے اور قرآن کے جملہ اوامر و نواہی، وعد و وعید اسی کے لیئے ہیں۔ اور قرآن مجید میں امم سابقہ اور انبیاء کے قصوں سے یہ سمجھے کہ ان سے ایک کہانی سنانا مقصود نہیں ہے بلکہ ان واقعات کا مقصد عبرت دلانا ہے۔ اور قرآن کے کسی خاص حکم کو صرف اسی مخصوص مورد پر محمول نہ کرے بلکہ اس میں تعمیم پیدا کرتے ہوئے اپنی ذات کو بھی اس میں شامل کرے کیونکہ قرآن مجید کی آیات قیامت تک زندہ رہیں گی۔ اگر آیات کسی فرد تک ہی محدود ہوتیں تو فرد مذکور کی موت سے

آیات بھی سرجائیں ۔

قرآن مجید کی اکثر آیات میں بظاہر مخاطب ایک شخص ہے تو مراد اس سے دوسرا شخص ہے ۔ قرآن کی تمام آیات نور و ہدایت کا سرچشمہ ہیں اللہ تعالی نے اہل ایمان کو نعمت قرآن کے شکر کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے ۔ واذکروا نعمة اللہ علیکم و ما انزل علیکم من الکتاب و الحکمة یعظکم به . (اور اپنے اوپر ہونے والی نعمتوں کو یاد کرو اور اللہ نے جو کتاب و حکمت تم پر نازل کی ہے اور تمہیں اس سے نصیحت کرتا ہے اس کو بھی یاد کرو قران مجید کی تلاوت کرتے وقت یہ تصور کریں کہ یہ آقا کا خط ہے ۔ جو میرے نام آیا ہے اور میں نے اسے غور و فکر سے پڑھنا ہے ۔ اور اس کے مطابق عمل کرنا ہے ۔

ایک دانا کا قول ہے ۔ کہ یہ قرآن خدائی میثاق لے کر ہمارے پاس آیا اور ہم حالت نماز میں اس پر تدبر کرتے ہیں اور اپنے تنہائی کے لمحات میں اس کے اسرار و عجائب پر غور کرتے ہیں اور قرآن کی اتباع واضح احکام کی صورت میں بجا لاتے ہیں ۔

اثر پذیری

قرآن مجید کی مختلف آیات کا قاری پر مختلف اثر پیدا ہونا چاہیے ۔ آیات عذاب کی تلاوت کے وقت دل میں خوف و حزن اور آیات رحمت کی تلاوت کے وقت دل میں امید کے جذبات پیدا ہونے چاہیں ۔

اکثر عارفین پر خوف زیادہ طاری رہتا ہے کیونکہ آیات رحمت میں بھی انہیں مغفرت کا وعدہ چند شرائط سے مشروط دکھائی دیتا ہے ۔ اور عارفین یہ سمجھتے ہیں کہ ہم میں وہ شرائط موجود نہیں ہیں لہذا ان آیات کی بشارت ہمارے لیئے نہیں ہے ۔

مثلاً جب عارف اس آیت "وانی لغفار لمن تاب وامن و عمل صالحا ثم اھتدی" (بے شک میں اسے بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے پھر راہ راست پر چلے) کو پڑھتا ہے تو اسے مغفرت الہی چار شرائط سے مشروط نظر آتی ہے ۔ اور اسی طرح سے سورہ عصر میں بھی اہل ایمان کو خسارے سے بچنے کی جو نوید سنائی گئی ہے وہ بھی چار شرائط سے مشروط ہے ۔ الا الذین امنوا و عملوا الصالحات وتواصوا بالحق و تواصوا بالصبر ۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کیئے اور آپس میں حق بات اور صبر کی وصیت کرتے رہے ۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالی کے فیضانِ رحمت کے لیئے ایک ہی شرط بیان کی ہے ۔ لیکن وہ ایک شرط تمام شرائط کی جامع ہے ۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ۔ ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین ۔ بے شک اللہ کی رحمت "احسان" کرنے والوں کے قریب ہے ۔ اور لفظِ احسان تمام شرائط کو متضمن ہے ۔

اس لیئے عارفین جب رحمت الہی کو شرط احسان سے مربوط دیکھتے ہیں تو وہ غم زدہ ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے نفس امارہ کو ہمیشہ دوش دیتے ہیں کہ وہ اس کی وجہ سے صفت احسان اپنے اندر پیدا کرنے سے قاصر رہے ہیں ۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ آیات عذاب کے وقت خوف الہی سے گھبرا اٹھے اور اس کے رونگٹے کھڑے ہونے چاہیں ۔

آیاتِ رحمت کے وقت اسے اپنے اندر خوشی محسوس کرنی چاہیئے ۔ اور باری تعالی کی ذات و صفات کی آیات

تلاوت کرتے وقت تعظیم باری کی وجہ سے اس کی گردن خم ہونی چاہیئے ۔ اور کفار و مشرکین کے ذکر کے وقت اپنے دل میں ان کے خلاف جذبات موجود پائے اور ان کے بد اعمال سے خود کو الگ رکھنے کا عزم مصمم پیدا کرے ۔ ذکر جنت کے وقت اپنے دل میں خوشی کی ایک لہر محسوس کرے اور دوزخ کے عذاب کا ذکر پڑھتے ہوئے اسے خوف خداوندی سے لرزہ براندام ہونا چاہیئے ۔

ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ابن مسعود سے فرمایا کہ تم مجھے قرآن سناؤ ۔ آپؐ کا فرمان سن کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۃ نساء کی ابتدائی آیات کی تلاوت شروع کی اور جب وہ اس آیت ۔ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھؤلاء شھیدا ۔ (بھلا اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر گروہ کے گواہ طلب کریں گے اور اے محمدؐ تم کو ان سب پر گواہ کی حیثیت میں طلب کریں گے) پر پہنچے تو وہ کہتے ہیں میں نے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھا تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی اور مجھے فرمایا کہ بس کرو ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر یہ رقت اسی لیئے طاری ہوئی کہ آپ صرف قرآن سن ہی نہیں رہے تھے بلکہ آیات کے ذریعہ سے آپ گویا اس منظر کا بھی مشاہدہ کر رہے تھے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا تھا ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ۔ تم اس وقت تک قرآن پڑھو جب تک تمہارا دل قرآن کی طرف مائل رہے اور جب تمہارا دل بھر جائے تو پڑھنا چھوڑ دو۔ اللہ تعالی نے اہل ایمان کی ایک وصف یہ بھی بیان فرمائی ہے ۔ الذین اذا ذکر اللہ و جلت قلوبھم ۔ (وہ ایسے ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں)

ذکر خداوندی سے دل میں اسی وقت لرزہ پیدا ہو گا جب وہ جلال خداوندی کے تصور سے معمور ہو گا ۔ اگر دل میں خوف خداوندی کے جذبات موجود نہ ہوں تو صرف زبانی کلامی آیات پڑھنے سے کوئی اثر پیدا نہ ہو گا ۔

روایت ہے کہ ایک شخص آقائے نامدار صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس قرآن کی تعلیم کے لیئے حاضر ہوا تو آپؐ نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔

(جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر برائی کی تو وہ اسے دیکھ لے گا)

اسس شخص نے یہ آیت سن کر کہا کہ مجھے یہی ایک آیت ہی کافی ہے اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص فقیہ بن کر واپس گیا ہے۔ اور جو شخص تلاوت قرآن صرف زبان سے ہی کرنا کافی سمجھے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے تو ایسا شخص در حقیقت ان آیات کا مصداق ہے۔

من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا و نحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ قال رب لما حشرتنی اعمیٰ و قد کنت بصیراً قال کذلک اتتک ایاتنا فنسیتھا و کذلک الیوم تنسیٰ۔

جس شخص نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اس کی زندگی بہت تنگی میں بسر ہوگی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا بنا کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا الہی میں تو دنیا میں آنکھ والا تھا اور تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھا؟ خدا فرمائے گا ایسا ہی (ہونا چاہیئے) ہماری آیتیں بھی تو تیرے پاس آئی تھیں تو تو انہیں بھلا بیٹھا اور اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا جائے گا۔

یاد رکھو تلاوت قرآن میں ایک کردار زبان کا ہے اور ایک کردار عقل و ذہن کا ہے اور ایک کردار قلب کا ہے۔ زبان کا کردار تو یہ ہے کہ حروف کو درست ادا کرے اور عقل کا کردار یہ ہے کہ معانی کا ادراک کرے اور قلب کا کردار یہ ہے کہ اس سے نصیحت حاصل کرے اور اس کی پیروی کرے۔

ترقی

لفظِ ترقی سے ہماری مراد یہ ہے کہ انسان اپنے قلب و عقل کو قبلۂ حقیقی یعنی خداوند عالم کی طرف بایں طور متوجہ کرے کہ قرآن کو براہِ راست اللہ کی جانب سے سنے نہ کہ اپنی جانب سے قرآن کی سماعت کرے ۔ قراتِ قرآن کے تین مدارج ہیں ۔

پہلا درجہ تو یہ ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت انسان یہ تصور کرے کہ وہ اپنے مالک حقیقی کے حضور کھڑا ہو کر اسے قرآن سنا رہا ہے اور خدا اسے دیکھ رہا ہے ۔ ایسا کرنے کی صورت میں انسان میں تفرع و عاجزی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ۔

قراتِ قرآن کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان کا قلب یہ گواہی دے کہ اللہ تعالی اپنا کرم کرتے ہوئے اس سے محو گفتگو ہے اور اس پر اپنے انعامات کی بارش کر رہا ہے اور خود انسان تعظیم و حیاء کے مقام پر فائز ہو کر اللہ کی گفتگو کو توجہ سے سن رہا ہے ۔ اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان کو کلام میں متکلم کی جھلک نظر آتے اور کلمات میں صفاتِ پروردگار کا بے پردہ دیدار نصیب ہو ۔ اور اس صورت میں انسان اپنے قلب و قرات کی طرف متوجہ نہ ہو اور عالمِ استغراق میں منعم کی نعمات بھی اسے یاد نہ رہیں بلکہ اس کے فکر کا تمام تر مرکز متکلم قرار پاتے ۔ اور انوارِ پروردگار کے مشاہدہ میں سراپا ڈوب جائے یہ مقربین کا درجہ ہے ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ۔ لقد تجلی اللہ لخلقه فی کلا مه و لکنهم لا یبصرون ۔
خداوند عالم نے اپنی مخلوق کو اپنے کلام کے ذریعہ سے اپنا دیدار کرایا ہے لیکن لوگ دیکھ نہیں سکتے ۔ ایک دفعہ امام جعفر صادق علیہ السلام نماز پڑھتے ہوئے بے ہوش ہو کر گر پڑے اور جب آپ کو ہوش آیا تو آپ سے بے ہوشی کا سبب دریافت کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا ۔ میں اس آیت کو اپنے قلب میں بار بار دہراتا رہا یہاں تک کہ میں نے یہ آیت متکلم سے سن لی پھر مشاہدہ قدرت کی تاب نہ لاتے ہوئے میں بے ہوش ہو گیا ۔

اپنے آپ کو قصور وار تصور کرنا

انسان کو چاہیئے کہ اپنی تمام تر قوت و طاقت سے اپنے آپ کو تہی تصور کرے۔ اور کبھی بھی اپنے نفس کو نگاہِ رضا و تزکیہ سے نہ دیکھے۔

لہذا جب انسان ایسی آیات کی تلاوت کرے کہ جن میں صالحین کی مدح کی گئی ہو تو وہ اپنی کوتاہیوں کا خلوصِ قلب سے اعتراف کرے اور خداوند کریم سے دعا مانگے کہ صالحین کے ساتھ ملحق فرمائے۔ اور جب غضبِ پروردگار کی آیات کی تلاوت کرے تو اپنے آپ کو ملامت کرے اور تصور کرے کہ اس کا تعلق بھی اسی طبقہ سے ہے اور خوف الہی سے اس کے دل میں ایک زلزلہ پیدا ہونا چاہیئے۔

حضرت سر اللہ فی العالمین جناب امیر المومنین علیہ السلام نے متقین کی اوصاف ایک خطبہ میں بیان فرمائی ہیں۔ اور اسی خطبہ میں اسی صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولائے متقیان علیہ السلام نے فرمایا۔ اذا مروا بایة فیھا تخویف اصغوا الیھا مسامع قلوبھم و ظنوا ان زفیر جھنم و شھیقھا فی اصول اذا نھم۔ اور جب کسی ایسی آیت پر ان کی نظر پڑتی ہے کہ جس میں دوزخ سے ڈرایا گیا ہو تو اس کی جانب دل کے کانوں کو جھکا دیتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جہنم کے شعلوں کی آواز اور وہاں کی چیخ و پکار ان کے کانوں کے اندر پہنچ رہی ہے۔

لہذا قراتِ قرآن کے وقت جو شخص اپنے نفس کو قصور وار تصور کرے گا تو اسے مقامِ قرب نصیب ہو گا اور جو اپنے نفس امارہ کو نگاہِ رضا سے دیکھے گا تو ایسا شخص اپنے نفس کے حجاب میں محجوب رہے گا۔ قرات کے یہ چند اسرار و رموز تھے جو ہم نے آپ کے لیئے بیان کیئے ہیں اور ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم ہمیں اسرارِ قرآن سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ہمیں صالحین سے ملحق فرمائے۔ اور جب آپ اس مقام پر پہنچ جائیں تو اس عظیم نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیئے دو سجدہ شکر بجا لائیں۔ اور دورانِ سجدہ اللہ تعالی کی بے پایاں نعمات کو اپنے ذہن میں

لائیں اور شکرانہ کہیں اور خداوند کریم کی حمد و ثناء کریں اور زیادہ سے زیادہ استغفار کریں۔

خداوندا ہمیں ان اسرار پر عمل پیرا ہونے کی سعادت عطا فرما اور فیض و عرفان میں اضافہ فرما تاکہ ان درجات کے حصول کا ذریعہ ثابت ہو اور ہمیں اپنی توفیق کے ذریعہ سے ادراک حق کے قابل بنا اور ہمیں مقامات صدق اور حقائق تحقیق میں ثابت قدم فرما اور ہمیں اپنے لطف و کرم کے زیر سایہ رکھ بے شک تو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا اور کرم کرنے والا ہے۔

تیسری فصل

منافیات نماز

وہ افعال جو نماز کے منافی ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں۔

ایک تو منافی صحت ہیں یعنی مبطل نماز ہیں۔ اور دوسرے منافی کمال ہیں یعنی نماز کے مقام رفیع پر پہنچنے سے مانع ہوتے ہیں۔

منافیات کمال میں سرفہرست وہ تمام خیالات ہیں جو حضور قلب ہٹانے کا موجب بنیں۔ مثلاً حدیث نفس یا کسی دنیاوی امر کی جانب ذہن کو ملتفت رکھنا بلکہ نماز سے ہٹ کر کسی اخروی امر میں ذہن کو مصروف رکھنا بھی منافی کمال ہے اور یہ شیطان کا جال ہے۔ یاد رکھیں کہ نماز میں توجہ قلب کی شدید ضرورت ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک حدیث میں فرمایا و انما لک من صلاتک ما اقبلت علیہ بقلبک۔ تمہاری نماز کا صرف وہی حصہ ہی مقبول ہو گا جسے تم نے توجہ قلب سے ادا کیا ہو گا۔ اسی لیئے فقہاء نے پیشاب و پاخانہ روکنے اور تھوکنے یا اپنے کپڑوں سے کھیلنے جیسے افعال کو منافی توجہ سمجھتے ہوئے انہیں مکروہات نماز میں سے قرار دیا ہے۔ اور وہ خیالات و تصورات جو مبطل نماز ہیں تو اس میں ہر وہ تخیل شامل ہے جو اخلاص کے منافی ہو اور اپنی اطاعت کو زیادہ قرار دیتا ہو۔ منافی اخلاص تصور میں ریا کی تمام اقسام شامل ہیں۔ اور اپنی اطاعت پر ناز کی صورت خود پسندی کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔

ریاء اور خود پسندی کی مذمت میں بہت سی احادیث وارد ہیں اور ریا اور خود پسندی کی بہت سی قسمیں ہیں اور تمام اقسام پر بحث کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے۔ ہم صرف ان دونوں بیماریوں کے اہم نکات پر ہی اپنی بحث مرکوز رکھنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ ان دونوں آفتوں کی قرآن و سنت میں لاتعداد مقامات پر شدید ترین مذمت کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون الذین ھم یراؤن و یمنعون الماعون ۔ تو ان نمازیوں کی تباہی ہے جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں جو دکھانے کے واسطے کرتے ہیں اور روزمرہ کی معمولی چیزیں بھی عاریتاً نہیں دیتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے۔ ان النار و اھلھا یعجون من اھل الریا۔ دوزخ اور دوزخی اہل ریا سے پناہ مانگیں گے۔ آپؐ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ آگ کیسے پناہ مانگے گی؟ تو آپؐ نے فرمایا دوزخ کی آگ اس آگ سے پناہ مانگے گی جس سے ریا کاروں کو عذاب دیا جائے گا۔ اور آپؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

المرائی یوم القیامۃ ینادی باربعۃ اسماء یا کافر یا فاجر یا غادر یا خاسر ضل سعیک و بطل اجرک و لا خلاق لک التمس الاجر ممن کنت تعمل لہ یا مخادع ۔ ریا کار کو قیامت کے روز چار ناموں سے پکارا جائے گا۔ ۱۔ اے کافر۔ ۲۔ اے فاجر۔ ۳۔ اے غدار۔ ۴۔ اے خسارہ اٹھانے والا۔ تیری محنت رائیگاں گئی اور تیری اجرت ختم ہوئی آج تیرے لیئے کوئی حصہ نہیں ہے۔ اے دھوکہ باز! اپنی اجرت اسی سے مانگ جس کے لیئے تو نے عمل کیا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ خداوند عالم فرماتا ہے کہ میں مشرک سے انتہائی بیزار ہوں۔ جس شخص نے اپنے کسی عمل میں غیر اللہ کو شریک کیا تو میں اس کا عمل قبول نہیں کروں گا میں تو صرف وہی عمل قبول کرتا ہوں جو خالص میرے لیئے ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔

جنت نے گفتگو کی اور کہا کہ میں ہر بخیل اور ریا کار پر حرام ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔

ان الجنة تکلمت و قالت انی حرام علی کل بخیل و مراء۔

جنت نے گفتگو کی اور کہا کہ میں ہر بخیل اور ریا کار پر حرام ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علی وآلہ وسلم نے فرمایا۔

ان اول من یدعی یوم القیامۃ رجل جمع القران و رجل قتل فی سبیل اللہ و رجل کثیر المال فیقول اللہ تعالی للقاری الم اعلمک ماانزلت علی رسولی فیقول بلی یارب فیقول اما عملت فیما علمت فیقول یارب قمت بہ فی اناء اللیل و اطراف النہار فیقول تعالی کذبت ویقول الملائکۃ کذبت و یقول اللہ تعالی انما اردت ان یقال فلان قار فقد قیل ذلک ویوتی بصاحب المال فیقول اللہ تعالی الم اوسع علیک حتی لم ادعک تحتاج الی احد فیقول بلی یارب فیقول تعالی فما فعلت فیما اتیتک فیقول کنت اصل الرحم و اتصدق فیقول اللہ تعالی کذبت و قالت الملائکۃ کذبت۔ الخ۔

(ترجمہ) قیامت کے روز سب سے پہلے قاری قرآن اور مقتول فی سبیل اللہ اور زیادہ مالدار شخص کو بلایا جائے گا۔ اللہ تعالی قاریِ قرآن سے فرمائے گا کیا میں نے تجھے اپنی اس کتاب کا علم نہیں دیا تھا جسے میں نے اپنے رسول پر نازل کیا تھا؟

تو وہ قاری کہے گا جی ہاں پروردگار! تو اللہ تعالیٰ سے مخاطب کر کے فرمائے گا کیا تو نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا؟ قاری جواب میں کہے گا پروردگار! اسی قرآن کی وجہ سے میں نے شب و روز کی نمازیں پڑھیں اور طویل قیام کیا کرتا تھا۔ یہ سن کر پروردگار عالم فرمائے گا تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹا ہے تو نے یہ سارے عمل اس لیئے سر انجام دیئے تھے کہ لوگ تیری تعریف کریں اور کہیں کہ فلاں شخص بڑا قاری ہے اور لوگوں نے یہ باتیں کی تھیں لہذا تجھ کو تیری اجرت دنیا میں ہی مل گئی۔

اس کے بعد مالدار شخص کو احکم الحاکمین کے سامنے پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالی اسے فرمائے گا کیا میں نے تجھے وسیع رزق نہیں دیا تھا اور لوگوں کی محتاجی سے بے نیاز نہیں کیا تھا ؟

وہ کہے گا جی ہاں پروردگار !

تو اللہ تعالی اسے فرمائے گا پھر تو نے میرے رزق کو کہاں کہاں خرچ کیا ؟

وہ جواب دے گا پروردگار ! میں اس دولت سے صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور صدقہ دیا کرتا تھا ۔

اللہ تعالی فرمائے گا تو نے جھوٹ بولا اور ملائکہ بھی کہیں گے کہ تو نے جھوٹ بولا ۔ تو اپنا مال صرف اس نیت سے خرچ کیا کرتا تھا کہ لوگ تیری تعریف کریں اور کہیں فلاں شخص بڑا سخی ہے ۔ اور لوگوں نے یہ باتیں کہی تھیں ۔ لہذا تیری اجرت تجھے دنیا میں مل چکی ہے ۔

ان دونوں کے بعد اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے ایک شخص کو پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالی اس سے یوں خطاب فرمائے گا ۔

اے شخص تو نے کیا کیا ؟

وہ کہے گا پروردگار تو نے اپنی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا تھا میں نے تیرے فرمان کی تعمیل کی اور خود قتل ہو گیا ۔

اللہ تعالی فرمائے گا تو نے جھوٹ بولا فرشتے بھی کہیں گے تو نے جھوٹ بولا ۔

تو نے جنگ صرف اسی نیت سے کی تھی کہ لوگ تیری شجاعت کے گن گائیں اور تجھے بہادر کہیں ۔ چنانچہ لوگوں نے تیرے متعلق یہ سب کچھ کہا تھا لہذا تجھے بھی تیرا اجر مل چکا ہے ۔

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ۔ ان تینوں کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور دوزخ کی آگ کو ان کے وجود سے بھڑکایا جائے گا ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ۔ ایاک والریا فانه من عمل لغیر اللہ و کله اللہ الی من

عمل له ۔ خبردار ریا سے بچنا جو کوئی غیر اللہ کے لئے عمل کرے گا تو اللہ تعالی اسے اس کے سپرد کر دے گا جس کے لیئے اس نے عمل کیا تھا۔

اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت مجیدہ ، فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولایشرک بعبادۃ ربہ احدا ۔ جو کوئی اللہ سے ملاقات کا خواہش مند ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ نیک کام کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو کوئی نیک عمل رضائے خداوندی کی نیت سے نہ کرے بلکہ اس نیت سے نیک کام کرے کہ لوگ اس کی تعریف و توصیف کریں تو اس شخص نے اپنے رب کی عبادت میں لوگوں کو شریک کیا ہے ۔ پھر آپؑ نے فرمایا جب بھی کوئی شخص چھپ کر کوئی نیک کام کرے چاہیے سے وہ عمل کیئے ہوئے ایک طویل عرصہ گذر جائے تو بھی اللہ تعالی اس کی نیکی کو ظاہر کرے گا ۔ اور اگر کوئی شخص چھپ کر برائی کرے گا تو بھی اللہ اس کی برائی کو ضرور ظاہر کرے گا ۔ واضح رہے ریا کی مذمت میں بہت زیادہ احادیث مروی ہیں ۔ البتہ ہم اس پر ہی اکتفا کرتے ہیں ۔

خود پسندی

ریا کی طرح خود پسندی اور خود فریفتگی بھی بدترین چیز ہے ۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کی مذمت کی ہے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی احادیث مبارکہ کے ذریعہ سے اپنی امت کو اس سے بچنے کی ترغیب دی ہے ۔ غزوہ حنین کے موقع پر اسلامی لشکر نے اپنی کثرت پر گھمنڈ کیا تھا چنانچہ اس کا جو نتیجہ نکلا وہ سب کو معلوم ہے ۔ اللہ تعالی نے اس خود پسندی اور کثرت کے گھمنڈ میں مبتلا ہونے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ۔ و یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ۔ اور جنگ حنین کے دن جب تمہیں اپنی کثرت (تعداد) نے مغرور کر دیا تھا پھر وہ کثرت تمہیں کچھ بھی کام نہ آئی ۔ اور (تم ایسے گھبرائے کہ) زمین باوجود اس وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے ۔ اور اپنے اوپر فریفتہ ہونے والے کچھ اور لوگوں کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ سے کیا گیا ہے ۔ قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیاۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا ۔ تم کہ دو کیا ہم ان لوگوں کا پتہ بتا دیں جو اعمال کی حیثیت سے بہت گھاٹے میں ہیں (یہ) وہ لوگ (ہیں) جن کی دنیاوی زندگی کی سعی و کوشش سب اکارت ہو گئی اور وہ اس خام خیال میں ہیں کہ وہ یقیناً اچھے اچھے کام کر رہے ہیں ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ۔

ثلاث مھلکات شح مطاع و ھوی متبع و اعجاب المرء بنفسہ ۔ تین خصلتیں تباہ کرنے والی ہیں ۔

۱ ۔ وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے ۔ ۲ ۔ وہ خواہشات جن کی پیروی کی جائے ۔ ۳ ۔ اور انسان کا اپنے آپ پر فریفتہ ہونا ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ۔ من دخلہ العجب ھلک ۔ جس میں خود پسندی داخل ہوئی وہ ہلاک ہوا

۔ اور آپؑ نے فرمایا للمعجب درجات منها ان یزین للعبد سوء عمله فیراه حسنا ۔ خود پسندی کے کئی درجے ہیں ۔ خود پسندی کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ انسان کو اپنے برے عمل بھی بھلے لگنے لگیں وہ انہیں اچھا سمجھنے لگے ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس خود پسندی میں مبتلا ایک عبادت گذار عالم آیا ۔ آپؑ نے اس سے پوچھا تمہاری نماز کی کیا کیفیت ہے ؟

تو اس نے کہا تعجب ہے کہ مجھ جیسے انسان سے بھی نماز کے متعلق پوچھا جائے میں تو اتنے برسہا برس سے اللہ کی عبادت کر رہا ہوں ۔

پھر امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سے پوچھا ۔ خوفِ خدا میں تمہارے گریہ کی کیا کیفیت ہے ؟

تو اس نے کہا کہ میں مسلسل روتا ہوں یہاں تک کہ میرے آنسو بہنے لگتے ہیں ۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے اسے فرمایا ۔ اس خود پسندی میں مبتلا ہو کر رونے سے خوف خدا دل میں رکھ کر اگر تم ہنستے تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہوتا۔ تم انتہائی درجہ کے خود پسند اور اپنی عبادت پر مغرور ہو یاد رکھنا مغرور آدمی کا کوئی بھی عمل آسمان کی جانب بلند نہیں ہوتا ۔

امام باقر علیہ السلام یا امام صادق علیہ السلام میں سے کسی ایک کا فرمان ہے کہ مسجد میں دو شخص داخل ہوئے ایک عابد تھا اور دوسرا فاسق تھا اور جب وہ مسجد سے باہر نکلے تو فاسق صدیق اور عابد فاسق بن چکا تھا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عابد اپنی اطاعت کے غرور میں مبتلا تھا اور اس دوران اس کی پوری کوشش اس بات میں صرف ہوئی کہ لوگ اس کی عبادت کی تعریف و توصیف کریں جبکہ فاسق اپنے گناہوں پر نادم تھا اور وہ اس دوران اپنے گناہوں کو مدنظر رکھ کر مسلسل اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہا ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے حضرت داؤد کو وحی کی یاداود بشر المذنبین وانذر الصدیقین قال کیف البشر المذنبین و انذرالصدیقین قال یاداود بشر المذنبین انی اقبل

التوبة واعفوعن الذنوب وانذر الصديقین ان لایعجبوا باعمالهم فانه لیس عبد یعجب بالحسنات الا هلک۔

داؤد! گناہ گاروں کو بشارت دو اور صدیقین کو ڈراؤ یہ سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا پالنے والے میں گناہ گاروں کو بشارت کیسے دوں اور صدیقین کو کیسے ڈراؤں؟ اللہ تعالی نے فرمایا۔ داؤد! گناہ گاروں کو بشارت دو کہ میں توبہ قبول کرتا ہوں اور گناہ معاف کرتا ہوں اور صدیقین کو ڈراؤ کہ وہ اپنے اعمال پر مغرور نہ ہوں کیونکہ جو بھی بندہ اپنی نیکیوں پر ناز کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ ریا دو طرح کا ہوتا ہے ۱۔ ریائے مفرد ۲۔ ریائے مرکب۔

پہلی قسم ریائے مفرد تو یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کے ذریعہ سے دنیا کے نفع کا خواہش مند ہو اور اسے اس سے کوئی غرض نہ ہو کہ وہ اس سے حرام کا ارتکاب کر رہا ہے یا حلال کا کوئی عمل کر رہا ہے اس کا مقصود فقط دینوی مفاد ہو۔ اور دوسری قسم ریائے مرکب سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے عمل سے بیک وقت اللہ کی قربت کا خواہش مند ہو اور اس کے ساتھ دنیاوی مفاد بھی حاصل کرنا چاہتا ہو۔ ریا کی دونوں قسمیں ہی عمل کو باطل کرنے والی ہیں۔

پہلی قسم کا ریا تو اتنا خسیس و گھٹیا ہے کہ اس پر بحث کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

دوسری قسم کا ریا دراصل شرک فی العبادۃ کی ایک قسم ہے اور اس کی حرمت پر قرآن حکیم کی نصوص قطعیہ شاہد ہیں۔ اور ریا کی یہ قسم "شرک خفی" ہے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی اس شرک خفی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ یہ شرک خفی میری امت میں جاری رہے گا۔

اس مقام پر ہم اس عبادت پر بحث نہیں کرنا چاہتے جس کا آغاز ہی ریا سے ہوا ہو۔ کیونکہ ایسی عبادت بالصراحت باطل ہے اور عارفین کے دلوں میں اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

البتہ ہم اس امر پر بحث کرنا چاہتے ہیں کہ انسان نے نماز کی ابتدا تو خالص جذبہ قربت کی تحت کی تھی پھر دوران

نماز ایسے حالات پیش آئے کہ اخلاص نیت سے شروع ہونی والی نماز میں ریا کا عنصر داخل ہو گیا ۔ مثلاً ایک شخص نے خلوص قلب سے نماز کو اطاعت پروردگار سمجھتے ہوئے خالص جذبہ قربت سے نماز شروع کی اور جب اس نے نماز شروع کی تو اس وقت اسے کوئی دیکھنے والا موجود نہ تھا ۔ اتفاق سے کوئی شخص اسی اثنا میں آگیا اور وہ اسے دیکھنے لگا اور اس شخص کے آنے پر شیطان آگیا اور وہ اسے دیکھنے لگا اور اس شخص کے آنے پر شیطان نے اس نمازی کو ترغیب دی کہ نماز زیادہ احسن انداز سے پڑھو تاکہ دیکھنے والے کی نگاہ میں تمہاری قدرومنزلت میں اضافہ ہو سکے اور مذکورہ شخص آئندہ کسی مقام پر تمہاری غیبت نہ کرے اور تمہاری عیب جوئی سے باز رہے ۔

شیطان کی اس ترغیب کی وجہ سے مذکورہ نمازی نے اپنی نماز کو زیادہ احسن انداز سے پڑھنا شروع کر دیا تو یہ بھی ریا کی ایک صورت ہوگی اور یہ حرکت قرب واخلاص کے منافی ہوگی ۔

ابلیس لعین کی تبلیس کی دوسری شکل اس سے بھی زیادہ گہری ہے ۔ مثلاً ابلیس نے کسی نمازی کو درج بالا ترغیب دی تھی لیکن اس نمازی نے اس کا کوئی اثر قبول نہ کیا تو ابلیس اب آیک نئے رنگ سے اسے پھانسنے کی کوشش کرے گا اور مذکورہ نمازی سے کہے گا کہ تم تو مقامِ رہبری و قیادت پر فائز ہو ۔ لوگ تمہاری اتباع کرتے ہیں ۔ اب تم اس قسم کی ہلکی پھلکی نماز پڑھ رہے ہو ۔ تمہیں دیکھ کر یہ شخص بھی آئندہ ہلکی پھلکی قسم کی نماز پڑھے گا اور فقط تمہارے اس عمل کی وجہ سے آئندہ اچھی نماز نہ ہو سکے گی لہذا تمہیں چاہیئے کہ اس دیکھنے والے کے سامنے تو احسن انداز سے نماز پڑھو ۔ اب اگر ابلیس کا یہ وار کارگر ہو اور وہ اس دام میں پھنس کر اپنی نماز کو پہلے سے بہتر انداز میں پڑھنا شروع کر دے تو یہ بھی ریا کی ایک صورت ہوگی اور مذکورہ حرکت اخلاص کے منافی متصور ہوگی ۔

شیطان لعین کا تیسرا پھندا پہلے دو پھندوں سے بھی زیادہ سخت ہے ۔ مثلاً ایک شخص کو اس نے مقام رہبری و قیادت کے حوالہ سے کسی شخص کے سامنے بہتر انداز سے نماز پڑھنے کی ترغیب دی ۔ لیکن وہ شخص سمجھ گیا کہ یہ ابلیس لعین کی چال ہے اور اس ذریعہ سے وہ مجھے ریا میں داخل کرنا چاہتا ہے ۔ لہذا اس ترغیب کا اس پر چنداں اثر

مرتب نہیں ہوا۔ تو اب وہ مذکورہ نمازی کو یہ ترغیب دے گا کہ خلوت و جلوت کی نماز ہمیشہ یکساں طور پر پڑھنی چاہیئے یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ خلوت میں تو انسان ڈھیلی ڈھالی نماز پڑھے اور لوگوں کے سامنے بہتر طریقے سے نماز پڑھے۔ اب چونکہ تم نے مخلوق خدا کو اپنی نماز سے متاثر کرنا ہے تو تمہیں چاہیئے کہ خلوت و جلوت کی نمازوں کو یکساں طور پر بہتر انداز سے پڑھو تاکہ جب لوگوں کے سامنے نماز پڑھو تو تمہاری دونوں نمازوں میں فرق نہ ہو۔ چنانچہ نمازی اس ترغیب پر عمل شروع کر دیتا ہے۔ اور خلوت و جلوت کی دونوں نمازوں کو بہتر انداز سے پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ تو یہ بھی ریا کی ایک انتہائی پوشیدہ ترین شکل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ نمازی نے اپنی خلوت کی نماز کو اس لیئے بہتر طور پر پڑھنا شروع کیا تھا کہ اسکی ذہنی خواہش یہ تھی کہ جب وہ لوگوں کے سامنے نماز پڑھے تو لوگ اس کی تعریف و توصیف کریں۔

لہذا یہ صورت جو کہ بظاہر تو دینداری پر مبنی نظر آتی ہے۔ لیکن درحقیقت اس میں بھی جذبہ ریا پوشیدہ ہے اور ریا ہر صورت میں قابلِ مذمت اور منافی اخلاص ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ بے ریا عبادت کرے کسی کے دیکھنے یا نہ دیکھنے سے اس کے طور و طریقہ میں کوئی فرق پیدا نہ ہونے پائے۔ جس طرح سے ایک شخص نماز پڑھتا ہو ساتھ کوئی چوپایہ کھڑا ہو تو اس کے ذہن میں کسی قسم کا اضطراب پیدا نہیں ہوتا اور کسی طرح کا ریا جنم نہیں لیتا بعینہ اسی طرح سے مخلوق خدا کے دیکھنے سے بھی اس کی قلبی حرکات میں سرمو فرق نہیں آنا چاہیئے۔ اور جب کوئی نمازی اس مقام پر فائز ہو جائے تو سمجھے کہ اسے مقام اخلاص مل گیا ہے۔ نمازی کو اول و آخر خدا سے ہی مصروف گفتگو ہونا چاہیئے۔ اور خدا سے مصروفِ کلام ہونے کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ اسے کسی دیکھنے والے کی پرواہ تک نہ ہو۔

غالباً حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اس حدیث میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

لا یکمل ایمان العبد حتی یکون الناس عندہ بمنزلۃ الاباعر۔ بندے کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک لوگوں کی حیثیت اس کی نظر میں مینگنیوں کی طرح نہ ہو جائے۔

ابلیس لعین کا چوتھا پھندہ پہلے تمام پھندوں سے زیادہ مضبوط ہے اور وہ یہ ہے کہ جب وہ سابقہ تینوں حربے ہمٰ لیتا ہے اور نمازی پھر بھی اس کے بچھائے ہوئے جال میں نہ پھنسے تو وہ پھر نمازی سے کہتا ہے کہ تم اس وقت حالت نماز میں ہو تمہیں خوب سوچ لیناچاہیئے کہ اس وقت تم کس کی بارگاہ میں کھڑے ہو اور کس سے محو مناجات ہو لہذا تمہیں چاہیئے کہ اپنی پوری ہمت جمع کر کے دل کو خدا کے سامنے حاضر کرو چنانچہ نمازی اس کی بات کو معقول سمجھتے ہوئے اپنے ذہن سے تمام خیالات کو جبرا بے دخل کر کے اپنے قلب کو حاضر کرتا ہے۔

یہ عمل ظاہری صورت میں اگرچہ اطاعت کی آخری منزل نظر آتا ہے لیکن در حقیقت یہ بھی تلبیس ابلیس ہے۔ کیونکہ صرف نماز میں ہی قلب خاشع کی ضرورت نہیں ہے۔ نماز کے علاوہ بھی ہر وقت انسان کو قلب سلیم کی ضرورت ہے۔ مومن کا قلب اللہ کا عرش ہے اور عظیم و برتر خدا کا مقام رہائش ہے۔ اس لیئے اسے صرف نماز میں ہی پاک رکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ اللہ کے عرش کو ہر وقت پاک و پاکیزہ رکھنا لازمی ہے۔ اور یہ پاکیزگی قلب صرف محفل میں ہی ضروری نہیں بلکہ تنہائی کے لمحات میں بھی ضروری ہے۔

درج بالا صورتیں ریا کی ہی مختلف شکلیں ہیں اور ریا شرک خفی ہے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس شرک خفی کے خطرہ سے آگاہ کرتے فرمایا۔ الشرک اخفیٰ فی قلوب بنی ادم من دبیب النملة السود آ فی اللیلة الظلماء علی الصخرة الصماء۔ بنی آدم کے دلوں میں شرک اس سیاہ چیونٹی سے بھی دھیمی چال سے چلتا رہتا ہے۔ جو تاریک رات میں ٹھوس چٹان پر چل رہی ہے۔

اس لیئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ ابلیس کے مکر سے صرف صاحبِ نظر اور توفیق ایزدی سے تائید شدہ انسان ہی بچ سکتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کے وقت ابلیس کے حملوں میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ لعین عبادت گذاروں سے ایک لحہ بھی غافل نہیں رہتا۔ اور اس کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ انہیں کسی نہ کسی طرح سے

ورطۂ ہلاکت میں گرفتار کرا دے ۔

ابلیس کا حملہ صرف نماز جیسی اہم اطاعت میں ہی نہیں بلکہ آنکھوں میں سرمہ لگانے، مونچھوں کے کتروانے اور جمعتہ المبارک کے دن خوشبو لگانے جیسے عمل کے وقت بھی انسان اس کی زد میں رہتا ہے ۔

درج بالا امور اگرچہ مسنون ہیں لیکن ان کا ایک گونہ تعلق انسان کی زیب زینت سے بھی ہے ۔ ان امور کی ادائیگی کے وقت بھی ابلیس رضائے خلق کے عنصر کو شامل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے ۔ اور ان تمام مذکورہ راہوں سے ابلیس در آنے کی کوشش کیا کرتا ہے ۔ اگر انسان بروقت بیدار نہ ہو اور ابلیس کے مکر کے ادراک سے قاصر رہے تو اسے ہلاک ہوتے دیر نہیں لگتی ۔ اسی لیئے کہا جاتا ہے کہ ایک عالم کی دو رکعت نماز جاہل کی ایک سال کی عبادت سے افضل ہے ۔

درج بالا بات ایک مسلمہ حقیقت ہے لیکن عالم سے مراد بھی صاحب بصیرت عالم ہے جسے بخوبی علم ہو کہ ابلیس کونسی راہوں سے گذر کر اسے ورغلانا چاہتا ہے ۔ ورنہ عام علماء کے حق میں یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ ابلیس اتنا جاہلوں کو گمراہ نہیں کرتا جتنا علماء کو گمراہ کرتا ہے ۔

درج بالا چار ابلیسی چالوں کے علاوہ شیطان کی ایک اور چال بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنی نماز مکمل جذبہ اطاعت و اخلاص سے ادا کرے لیکن نماز کے بعد ابلیس اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ وہ اپنی نماز کا اظہار لوگوں کے سامنے کرے اور لوگوں کو اپنے اخلاصِ عمل سے آگاہ کرتے ہوئے یہ بتائے کہ اب اس کا نام مخلصین کے دیوان میں درج ہو چکا ہے ۔ اور وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ نماز کے دوران اس نے کسی قسم کی ریا کاری نہیں کی لہذا اب لوگوں کو اپنے اخلاص عمل سے آگاہ کرنے میں کوئی باک نہیں ہے ۔ واضح ہو کہ یہ بھی ریا کی ایک قسم ہے ۔ اور اس سے عمل فاسد ہو جاتا ہے اگرچہ عمل پہلے سرانجام پا چکا ہوتا ہے مگر بایں ہمہ عمل باطل قرار پاتا ہے ۔ جس طرح سے خود پسندی کی وجہ سے پہلے سے سرانجام دیا جانے والا عمل باطل ہو جاتا ہے ۔ اور یوں عملی طور

پر ایسا شخص اس آیت کریمہ کا مصداق بن جاتا ہے۔

قل ھل ننبئکم بالا خسرین اعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیاۃ الدنیا و ھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔ (اے رسولؐ) تم کہہ دو کیا ہم ان لوگوں کا پتہ بتا دیں جو اعمال کی حیثیت سے بہت گھاٹے میں ہیں (یہ) وہ لوگ (ہیں) جن کی دنیاوی زندگی کی سعی و کوشش سب اکارت ہو گئی اور وہ اس خام خیال میں ہیں وہ یقینا اچھے اچھے کام کر رہے ہیں۔

ایک روایت میں وارد ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی نیکی جتلانے کی غرض سے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے ایک طویل عرصہ تک روزے رکھے ہیں۔

یہ سن کر آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا نہ تو نے روزہ رکھا اور نہ ہی افطار کیا۔

آپؐ کی حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نیکی جتلانے کی وجہ سے تو روزے کے ثواب سے محروم ہو گیا جب کہ تو نے روزے کی بھوک پیاس بھی برداشت کی ہے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے سامنے کہا کہ میں نے رات سورۃ البقرہ کی تلاوت کی تھی۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا۔ یہی اظہار ہی تمہارا اجر ہے اگر تو اپنے اخلاص پر باقی رہتا اور اپنی اس نیکی کو پوشیدہ رکھتا تو تجھے بڑا اجر ملتا۔ اب یہ سمجھو کہ تمہارے نیکی کے دیوان میں ستر میں سے انسٹھ نیکیاں ختم ہو گئی ہیں۔ آئمہ طاہرین سے مروی ہے کہ چھپ کر ادا کی جانے والی نیکی بظاہر سر انجام پانے والی نیکی سے ستر گنا افضل ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص چھپ کر نیکی کرتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں چھپ کر نیکی لکھی جاتی ہے اگر وہ اس نیکی کا اظہار کرتا ہے تو اس کے نامہ اعمال سے نیکی مٹا دی جاتی ہے۔ اور اگر دوبارہ وہ اس نیکی کا لوگوں کے سامنے اظہار کرتا ہے تو نیکی مٹا کر اس کے نامہ اعمال میں ریا لکھ دیا جاتا ہے۔ لہذا نیکی کے اظہار بیان سے انسان کو اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے نیکی ضائع ہو جاتی ہے۔ اور محنت رائیگان ہو جاتی ہے۔ ہاں

البتہ اگر کسی نیکی کی ترغیب دینی مقصود ہو اور خود پسندی اور ریا کا اس میں عنصر شامل نہ ہو تو پھر اپنی عبادت کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور یہ بھی صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ سننے والے کو اس کے علاوہ ترغیب دینے کا کوئی اور راستہ موجود نہ ہو۔ اگر اپنی عبادت کے اظہار و بیان کے علاوہ کسی اور طریقہ سے ترغیب دینی ممکن ہو تو پھر اظہار سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔

محمد بن مسلم نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے آپؑ نے فرمایا لا باس ان تحدث اخاک اذارجوت ان ینفعه وتحثه واذا سئلک هل قمت اللیل اوصمت فحدثه بذلک ان کنت فعلته فعل قدرزق الله ذلک والا فلا تقل فان ذلک کذب۔ جب تمہیں امید ہو کہ تم اپنے عمل خیر کے اظہار کے ذریعہ سے اپنے بھائی کو فائدہ یا ترغیب دے سکتے ہو تو اس شکل میں اسے بتانا جائز ہے۔ اور جب وہ آپ سے پوچھے کہ کیا تم نے رات کو قیام کیا تھا یا روزہ رکھا تھا تو اسے بتا دو ورنہ نہیں کیونکہ وہ جھوٹ ہو گا۔

اسی لیئے صدقہ کو ظاہر کر کے دینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے تاکہ لوگوں میں صدقہ دینے کا اشتیاق پیدا ہو اور نماز شب کی بھی بالجہر ادائیگی کا حکم اس مقصد کے پیش نظر دیا گیا ہے تاکہ ہمسایوں اور رشتہ داروں کو ترغیب دی جا سکے۔ لیکن یہ اعمال ظاہری طور پر بجا لانے کے وقت انسان کو ہمیشہ یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ اس سے دل میں خود پسندی اور ریا کاری کا شائبہ پیدا نہ ہو اگر انسان کو ریا کاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو انہیں بھی چھپ کر بجا لانا چاہیے۔ اور چھپ کر ادا کرنے میں بھی بعض دفعہ ابلیس لعین اپنا جال بچھا دیتا ہے اور انسان کو اس سے بھی ہمیشہ محتاط رہنا چاہیے۔

بعض دفعہ ابلیس لعین انسان کو یہ ترغیب دیتا ہے کہ تمہیں نیک اعمال نہیں کرنے چاہیں۔ مبادا لوگ تمہیں ریا کار نہ سمجھ بیٹھیں اگر کوئی انسان اس کے اس پھندے میں آجائے تو اس کا مقصد پورا ہو جائے گا کیونکہ وہ لعین تو چاہتا ہی یہی ہے کہ اللہ کی عبادت نہ کی جائے۔

اس کی مثال ایسے دی جا سکتی ہے کہ ایک آقا اپنے غلام کو مٹی ملی ہوئی گندم حوالے کرتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ اس گندم سے مٹی کو جدا کرو اور گندم خالص کر کے میرے حوالے کرو اور غلام یہ عذر کرے کہ جناب اس گندم کو مکمل صاف کرنا میرے بس میں نہیں ہے اسی لیئے میں یہ کام سرانجام دینے سے قاصر ہوں۔ بعینہٖ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خالص عبادت بجا لانے کا حکم دیا ہے اگر بندہ بھی اس نالائق غلام کی طرح یہ بہانہ کرے کہ مجھ سے خالص عبادت ممکن ہی نہیں ہے۔ لہذا مجھے عبادت سے معذور سمجھا جائے۔ اہل علم کے نزدیک یہ عذر قابل قبول نہیں ہو گا۔ بندے کی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی طرف سے پوری جدوجہد کرے اور ہاں اگر کوئی کمی بیشی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور بالکل عمل ترک کر دینے سے تو شیطان لعین کی منشا پوری ہو گی۔

بعض اوقات ابلیس انسان کو بایں طور دھوکا دیتا ہے۔ کہ تم عمل ترک کر دو کیونکہ اگر تم عمل کرو گے تو خدشہ ہے کہ لوگ تمہیں ریا کار سمجھ بیٹھیں گے۔ اور اگر انسان اس کے اس دام ہمرنگ زمین میں پھنس کر عمل ترک دے تو درحقیقت یہ بھی ریا کا ہی ایک شعبہ ہے اور اگر اس کے دل میں لوگوں کی تعریف و توصیف اور مذمت کا خیال نہ ہوتا تو وہ اس ابلیسی مکر میں کبھی نہ پھنستا۔ کیونکہ ریا کاری کے طعنہ کی وجہ سے عمل ترک کرنے اور غافل مقصر کے طعنہ کے پیش نظر بہتر طور پر عمل کرنے میں کیا فرق ہے جب کہ عمل کا ترک کرنا اس سے کہیں زیادہ جرم ہے۔ اور پھر اس میں مسلمین کے حق میں سوء ظن کا بھی شائبہ موجود ہے۔ اور مسلمین کے متعلق سوء ظن رکھنا بھی ایک بڑا جرم ہے۔ اور اس تمام حقیقت کے باوجود ایسا انسان یہ توقع کیسے کر سکتا ہے کہ اس نے ترک عمل کے ذریعہ سے شیطان سے نجات حاصل کر لی ہے۔ اس طرح مذکورہ شخص شیطان کے چنگل سے آزاد نہیں بلکہ اس میں مزید پھنس جاتا ہے۔ اس صورت میں ابلیس اسے گمراہی میں پختہ تر کرنے کیلئے اس سے کہے گا کہ اب لوگ تمہارے متعلق یہ کہنے لگے ہیں کہ تم نے شہرت سے بچنے کیلئے عمل ترک کر دیا ہے۔ اور اب تمہیں مخلص سمجھنے لگے ہیں۔

ان تمام وساوس سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ انسان کو آفات ریا اور اس کے ضرر سے بخوبی آگاہی ہونی چاہیئے اور جب انسان ریا کے اقسام سے آگاہ ہو گا تو اس کے عمل میں ہمیشگی اور پائیداری پیدا ہو گی اور کسی کی تعریف و توصیف مذمت و شکوہ سے بے نیازی پیدا ہو گی۔

اخلاص عمل کے لیئے ضروری ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا حیا بدرجہ اتم ہونا چاہیئے۔ اگر آپ کے دل میں کبھی یہ خواہش جنم لے کہ آپ لوگوں کی تعریف کا مرکز بنیں اور آپ کی عبادت کا مقصد لوگوں کی توصیف و ثنا کا حصول ہو تو اس وقت آپ اپنے دل میں یہ ضرور سوچ لیں کہ اگر مخلوق خدا کو تمہارے اس ارادہ کی خبر ہو جائے کہ تم اس نیت کے تحت عبادت خداوندی کر رہے ہو تو لوگ تمہاری تعظیم و تکریم کی بجائے تمہاری مذمت کریں گے اور تمہارا شکوہ کریں گے۔

ایسے موقع پر اگر آپ اپنے دل میں اللہ کا حیاء کرتے ہوئے بہتر انداز سے عبادت کر سکتے ہوں تو ضرور کریں۔ اور بعض اوقات ابلیس لعین کسی عابد کو یہ کہہ کر عمل ترک کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ تمہیں عمل ترک کر دینا چاہیئے تاکہ لوگ تمہارے متعلق نیک گمان کریں اور یہ کہیں کہ تمہیں شہرت سے سخت نفرت ہے۔ اور اللہ کا پیارا بندہ وہی ہوتا ہے جو چھپ کر عبادت کرے اور اگر وہ کسی محفل میں موجود ہو تو اس کی پہچان نہ ہو سکے اور اگر تم لوگوں میں بحیثیت عابد مشہور ہو گئے تو تم اجر خداوندی کے حق دار نہیں رہو گے۔

یاد رکھیں کہ یہ ایک شیطانی دھوکا ہے۔ کیونکہ آپ کے ذمہ اخلاص عمل ہے آپ کو اس بات سے چنداں سروکار نہیں ہونا چاہیئے کہ لوگ آپ کے عمل خیر سے واقف ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے۔ اگر لوگ اس سے واقف بھی ہو جائیں تو آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے حدیث قدسی میں فرمایا۔ علیک الخفاؤہ و علی اظہارہ۔ مخفی رکھنا تمہارا کام ہے اور ظاہر کرنا میرا کام ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالی نے حدیث قدسی میں فرمایا۔ من اصلح سریرتہ اصلح اللہ علانیتہ۔ جو اپنے باطن کی اصلاح کرے تو اللہ اس کے ظاہر کی اصلاح کرے گا۔

علاوہ ازیں ابلیس لعین بعض اوقات یہ کہہ کر بھی دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے کہ اگر تو عمل کرنے سے باز نہیں آتا تو کم از کم چھپ کر عمل کر اللہ اس کو لوگوں پر خود بخود واضح کر دے گا۔ واضح ہو کہ یہ ترغیب بھی درحقیقت ابلیسی تلبیسات میں سے ایک ہے اور یہ بھی ریا کاری کی ایک مخفی صورت ہے کیونکہ اس میں عبادت کو صرف اس لیئے چھپ کر سر انجام دینے کی رغبت دلائی گئی ہے کہ عنقریب لوگ اس سے واقفیت حاصل کر لیں گے تو اس کا مقصد یہ ہوا کہ چھپ کر کی جانی والی عبادت کا مقصدِ اصلی بھی شہرت ہی ہے۔

یاد رکھیں کہ آپ کا مطمح نظر رضائے خداوندی کا حصول ہونا چاہیئے۔ اور بس آپ کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیئے کہ لوگوں کو اس کی خبر ہوتی ہے یا نہیں آپ کو اس سے بالکل بے نیاز ہونا چاہیئے۔ اور اس سلسلہ میں ایک ضروری نکتہ کی طرف آپ کی توجہ ملتفت کرانا ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ خدارا اخلاصِ عمل کے دقائق کو بنیاد بنا کر اطاعت میں سستی اور کمی شروع نہ کر دیں کہ لوگوں کی ثناء سے آپ کو خوشی محسوس ہوتی ہے اور اطاعت میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ آپ ان تمام چیزوں سے صرفِ نظر کریں اور پوری تندہی سے شیطان کے داخلہ کے راستوں کو روکے رکھیں۔ اور جان لیں کہ سرورِ اطاعت کبھی قابل مدح ہوتا ہے اور کبھی قابل مذمت ہوتا ہے۔

قابل مدح سرور اطاعت تو یہ ہے کہ آپ کا ارادہ تو اطاعت کو مخفی رکھنے کا تھا اور آپ نے پورے اخلاص کے تقاضوں کو مدِ نظر بھی رکھا اور آپ نے اپنے عمل کو کثیر بھی نہ گردانا تو اس حالت میں سرور کی کیفیت اس لیئے پیدا ہوئی کہ اللہ تعالی نے آپ کو اطاعت کی توفیق عنایت فرمائی اور حلقہ غافلین سے آپ کو آزاد کیا تو آپ کو یہ خوشی اپنے عمل پر نہیں بلکہ توفیق الہی کے میسر آنے پر ہوئی اور اگر یہ سرور و خوشی خود پسندی کے حدود میں بھی داخل نہ ہوں تو بے شک یہ سرور قابل مدح ہے۔ اگر آپ کی کسی کوشش کے بغیر لوگ آپ کی عبادت سے مطلع ہو جائیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ بعض دفعہ اللہ اپنے بندہ کو اخروی عزت کے ساتھ ساتھ دنیاوی عزت بھی

فراہم کرتا ہے۔ اور وہ سرور اطاعت جو قابل مذمت ہے وہ یہ ہے کہ آپ اپنی اطاعت کو زیادہ سمجھنے لگیں یا اپنی عبادت کو اپنی تعظیم و توقیر کا وسیلہ قرار دیں تو یہ اطاعت یقیناً ریا ہے۔ اور عمل کے برباد کرنے کا موجب ہے اور ریا کی بنیاد حب دنیا اور آخرت کی فراموشی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ وہ ہمارے اعمال کو میزان عدل میں نہ تولے بلکہ اپنی شان کریمی کے تحت ہمارے ناقص اعمال کو قبول و منظور فرمائے۔ یامن یقبل الیسیر و یعفو عن الکثیر اقبل منا الیسیر و اعف عنا الکثیر ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

خود پسندی

خود پسندی قلب کی اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان اپنے عمل کو کثیر سمجھے اور اس پر ناز کرے اور مزید یہ کہ انسان اپنے عمل کے ذریعہ سے اپنے آپ کو حد تقصیر سے خارج قرار دے۔

خود پسندی ایک عظیم آفت ہے بلکہ یہ عمل خیر کو نیکی کے پلڑے سے نکال کر برائی کے پلڑے میں ڈال دیتی ہے۔ اور انسان کو بلند درجات سے گرا کر اسفل السافلین میں لے جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے یا معاشر الحواریین کم من سراج اطفاہ الریح و کم من عابد افسدہ العجب۔ اے گروہ حوارین! آندھیوں نے کئی چراغ گل کئے ہیں اور خود پسندی نے کئی عابدوں کو تباہ کیا ہے۔

سعید بن ابی خلف نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا علیک بالجد ولا تخرجن نفسک من حدالتقصیر فی عبادۃ اللہ وطاعتہ فان اللہ تعالیٰ لایعبد حق عبادتہ۔ تمہیں عبادت کے لیئے کوشش کرنی چاہیئے اور اللہ کی عبادت و اطاعت کے لیئے اپنے آپ کو حد تقصیر سے باہر نہ سمجھیں کیونکہ اللہ کی عبادت کا حق ادا کرنا ناممکن ہے۔

خود پسندی کے اسباب

انسان میں خود پسندی کی وجہ اپنے اعمال کے عیوب سے غافل ہونا ہے۔ اور خداوند عالم کی طرف سے عطا ہونے والی توفیق سے صرف نظر کرنا ہے۔ بطور مثال آپ صرف نماز پر ہی توجہ فرمائیں کیونکہ نماز دین کا ستون ہے اور سب سے پہلے روز محشر نماز کی پرسش ہوگی۔ اگر نماز قبول ہوئی تو باقی عمل بھی قبول ہوں گے اور اگر خدانخواستہ نماز رد کر دی گئی تو باقی عمل بھی رد کر دیئے جائیں گے۔ اب آپ نماز کی جملہ شرائط اور اخلاص عمل کی جملہ حدود کو مدنظر رکھیں تو پوری زندگی میں ایک آدھ نماز ہی مقام قبولیت پر فائز ہوتی نظر آئے گی۔ جب ایسی عبادت جو دن میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے تو اس کی قبولیت کا بھی انسان کو یقین نہ ہو تو باقی عبادات کی قبولیت کا یقین کیسے کیا جا سکتا ہے اور پھر کس برتے پر انسان اپنے اعمال پر ناز کر سکتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ اعملوا عباد اللہ ان المومن لا یصبح و لایمسی الا و نفسہ۔ الخ۔ بندگان خدا عمل کرو مومن ہمیشہ اپنے نفس کو ملامت کرنے والا ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ اپنے نفس کو عیب دار خیال کرتا ہے۔ اور مومن ہمیشہ عبادت میں اضافہ کا خواہش مند رہتا ہے۔ تم اپنے سے پیش رو لوگوں کی طرح رہو۔ جنہوں نے دنیا میں ایک مسافر کی سی زندگی بسر کی اور دنیا سے ایک مہمان کی طرح رخصت ہو کر چلے گئے۔ لہذا مومن کو اپنے عمل اور عبادت پر کبھی بھی ناز نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ایک انسان ضعیف البنیان سے حقوق عبودیت کے تمام تقاضے پورے ہونے ناممکن ہیں۔

البتہ انسان اپنے اندر سرور عبادت بایں نیت محسوس کر سکتا ہے کہ اللہ تعالی کی توفیق اس کے شامل حال رہی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نیک عمل کرنے کے قابل ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ انسان جس کی وجہ سے وہ نیک عمل کرنے کے قابل ہوا ہے اور اس کے ساتھ انسان کو زیادہ اطاعت کے لیئے توفیق ایزدی کی درخواست کرنی چاہیئے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا فرمان ہے۔ من سرتہ حسنۃ و ساءتہ سیئۃ فھو مومن۔ جو نیکی کر کے

خوشی اور برائی کر کے دکھ محسوس کرے وہ مومن ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ایک اور فرمان ہے۔ لیس منا من لم یحاسب نفسہ فی کل یوم فان عمل خیرا حمداً للہ و ان عمل شرا استغفر اللہ۔ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو روزانہ اپنے نفس کا محاسبہ نہ کرے اگر اس نے نیک عمل کیا ہو تو اس پر اللہ کی حمد کرے اور اگر کوئی برائی کی ہو تو اللہ سے معافی مانگے۔

خاتمہ

یہ عنوان دو مباحث پر مشتمل ہے۔

منافیاتِ نماز کا علاج

اگر بیرونی افکار کی وجہ سے قلب نماز میں متوجہ نہ ہو رہا ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے قلب کو یہ حقیقت یاد دلائیں کہ وہ اس وقت کس حالت میں ہے اور کس سے محومناجات ہے اور دل کو یہ یاد دلائیں غفلت کتنی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے جب کہ اسے اس عمل کی روز قیامت تک کے لیئے شدید ضرورت ہے۔ اب جب کہ توفیق الٰہی تیرے شامل حال ہوئی ہے اور تو نماز میں داخل بھی ہو چکا ہے تو بیرونی افکار سے اپنی عبادت کو آلودہ نہ کر اور روز قیامت بھی برحق ہے جس کی سختی سے پہاڑ بھی لرزتے ہیں۔ اس دن تجھے عادل حقیقی کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ جہاں یہی نماز اور دیگر اعمال تجھے چھڑانے والے ہوں گے اور یہی نماز ہی قیامت کے ہولناک منظر میں تیرے لیئے سایہ رحمت بنے گی اور محشر کے خطرناک مقامات سے نجات دلائے گی۔ اور یہی نماز ہی پل صراط سے بخیریت گزرنے کا ذریعہ ثابت ہو گی۔ جب نماز نے ہی تجھے ان تمام مہالک سے نجات دلانی ہے تو اس کی ادائیگی میں غفلت آخر کیوں روا رکھ رہے ہو۔ اور اسے توجہ قلب سے پڑھنے سے کون سا امر مانع ہے۔ جب کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اعمال اور اطاعت کا تعلق بھی اسی دنیا سے ہے یہ دنیا دارالعمل اور آخرت دارالجزاء ہے۔ اور تم پہلے ہی اپنی غفلت کے سبب بہت سا وقت ضائع کر چکے ہو کیا اب تمہارے لیئے وہ گھڑی نہیں آئی جب تم اخلاص قلب سے خداوند عالم کی عبادت کر سکو؟

اے نفس عزیز! راہ طولانی ہے اور زادِ راہ بہت کم ہے اور تمہاری فانی زندگی کی کتنی ساعتیں اس وقت باقی رہ گئی ہیں ان کا تمہیں کوئی علم نہیں ہے۔ لہذا وقت کو غنیمت جانو موت سے پہلے حیات کو۔ بیماری سے قبل صحت کو

بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت تصور کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ نیکیاں بجا لاؤ۔ نیکیوں کا حصول صرف اس دنیا میں ہی ممکن ہے۔ آخرت میں تمہیں عمل کی فرصت نہیں دی جائے گی۔ آخرت میں یا تو جنت ہے یا دوزخ ہے۔ جنت کا وعدہ متقین سے ہے اور دوزخ فاسقین کا گھر ہے۔ اندریں حالات جب کہ خطرہ عظیم اور معاملہ انتہائی دگرگوں ہے اس کے باوجود بھی تو ابھی تک خواب غفلت میں مدہوش ہے۔

اے نفس عزیز! اب وقت ہے کہ اب بھی سنبھل جا اور خاکبازی سے باز آجا۔ کیونکہ غفلت سے پڑھی ہوئی نماز کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ خواجہ کائنات رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے۔ یمضی علی الرجل ستون سنة او سبعون ما قبل الله منه صلاة واحدة۔ آدمی کو کبھی ساٹھ یا ستر برس نماز پڑھتے گذر جاتے ہیں جب کہ اللہ نے اس کی ایک بھی نماز قبول نہیں کی ہوتی۔ حماد بن عیسی رضوان اللہ علیہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ انہوں نے فقہ الصلوۃ کے لیئے (کتاب حریز) کو حفظ کیا ہوا تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کے حق میں دعا دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اللہ تعالی تمہیں پچاس مرتبہ حج کی سعادت نصیب فرمائے اور اللہ تعالی تمہارے مال و اولاد میں برکت ڈالے۔ چنانچہ امام عالی مقام علیہ السلام کی مذکورہ دونوں دعائیں قبول ہوئی تھیں۔ اتنے بڑے عظیم المرتبت انسان نے ایک دفعہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے دو رکعات نماز پڑھی۔

امام علیہ السلام نے ان کی نماز دیکھ کر فرمایا۔ کہ یہ بات انسان کے لیئے کتنی رسوا کن ہے کہ انسان ساٹھ یا ستر برس کا ہو کر بھی دو رکعات نماز صحیح طور پر ادا نہ کر سکتا ہو۔

لہذا اے نفس عزیز! جب اتنے بڑے مقام رکھنے والے افراد کا یہ حال ہو تو تم جیسے لوگوں کا شمار کس گنتی میں ہو گا؟ ؟ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ کم من قارئ للقران و القران یلعنه و کم من صائم لیس له من صیامه الا الجوع و العطش۔ کتنے ایسے قاری ہیں کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت

مگر تلاب کتنے ہی ایسے روزہ دار ہیں جنہیں اپنے روزہ سے بغیر بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں۔

الغرض اس قسم کی احادیث کے ذریعہ سے قلبِ غافل کو بیدار کریں امید ہے کہ اس نسخہ سے آپ کا غفلت میں ڈوبا ہوا دل ضرور بیدار ہو گا۔

ریا و خود پسندی کا علاج

اگر منافی نماز افعال کا تعلق مبطلات نماز سے ہو اور وہ افعال منافی اخلاص ہوں تو اس کا علاج یہ ہے کہ انسان ریا کاری کے نقصانات پر غور و فکر کرے اور ریا کاری کے سبب انسان جس صلاح قلب اور توفیق ایزدی سے محروم ہو جاتا ہے اس کا تصور کرے اور اس عالم میں انسان کو چاہیئے کہ اپنے دل کو یہ بات یاد دلائے کہ اس حقیر ریا کاری کے جذبہ کی وجہ سے اسے آخرت کا بہت بڑا خسارہ برداشت کرنا پڑے گا اور خداوند عالم کے حضور اس کا مقام بہت ہی گر جائے گا اور اس کی پاداش میں اسے شدید ترین عذاب اور سخت ناراضگی اور ظاہری رسوائی سے دو چار ہونا پڑے گا۔ اور اس ریا کاری کے سبب روز محشر تمام خلائق کے روبرو اسے رسوا کر کے کہا جائے گا اے فاجر، اے غدار اور اے ریا کار! تجھے اطاعت خدا کے بدلہ میں دنیاوی اغراض کا سودا کرتے ہوئے حیاء نہ آئی؟

لوگوں کے دلوں کو اپنی جانب مائل کرنے کی غرض سے تو نے اطاعت الٰہی کو کھلونا بنا لیا تھا۔ لوگوں کا محبوب بننے کیلئے تجھے اللہ کا مبغوض بننے سے عار محسوس کیوں نہ ہوئی؟ تو نے اپنے ظاہر کو تو لوگوں کے لیئے مزین کرتا تھا لیکن اپنے باطن کو خدا کے لیئے زیادہ سے زیادہ خراب کرتا رہا۔ اور تو اللہ سے دور ہو کر لوگوں کی قربت کا خواہش مند بنتا رہا۔ اور اللہ کے نزدیک مذموم ہوتے ہوئے لوگوں کی نگاہوں میں قابل تعریف بنتے ہوئے تجھے شرم کیوں نہ آئی؟ اور اللہ کی ناراضگی خرید کر لوگوں کی رضا کے درپے کیوں ہوا؟ کیا تیری نظر میں خدا کی اہمیت مخلوق جتنی بھی نہیں تھی؟ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے ذہن میں انسان کو یہ موازنہ بھی کرنا چاہیے کہ وہ دنیاوی اغراض کے لیئے اپنے آپ کو کس طرح سے مزین کرتا ہے اور آخرت سے کس طرح اعراض کر رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ دل نادان کو یہ سمجھانا چاہیئے کہ تمہارے اس نام و نمود کے جذبہ کی وجہ سے تمام عمل اکارت ہو جائیں گے اور میزان حسنات کے پلڑے کو وزنی بنانے والے عمل برائیوں کے پلڑے میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اور اس طرح سے نیکی برائی میں بدل جائے گی اور نیک اعمال کا وزن ہلکا ہو جائے گا۔ اور اس کی وجہ سے تمہارا مقام "ہاویہ" قرار پائے گا۔ اور

تمہیں کیا معلوم کہ ہادیہ کیا ہے۔ ہادیہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ اگر ریا کاری کا بس یہی ایک نقصان ہوتا کہ اس سے عمل اکارت ہو جاتا تو بھی یہی نقصان کیا کم تھا جب کہ اس کے اور بھی بہت سے نقصانات ہیں۔ نیک عمل کی وجہ سے انسان کو انبیائے کرام اور صدیقین کی جو صحبت میسر آنی تھی فقط ریا کاری کی وجہ سے نہ مل سکے اور انبیاء و صدیقین کی بجائے انسان کو فرعون و نمرود کے ساتھ دوزخ میں ڈال دیا جائے۔ کیا یہ سب کچھ ریا کاری کا نقصان نہیں ہے؟ اور کیا یہ بھی ضروری ہے کہ انسان جن لوگوں کی تعریف و توصیف کی خواہش کے لیئے عبادت بجا لائے وہ واقعی اس کی تعریف بھی کریں گے یا نہیں؟ اور اس لازمی حقیقت کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ اللہ ہی دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ بنی آدم کے قلب رحمان کے ہاتھ میں ہیں اور وہی مقلب القلوب ہے۔ یاد رکھیں جو شخص اللہ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کرنے کی کوشش کرے گا تو اللہ بھی اس پر ناراض ہو گا اور مخلوق کو بھی اس پر ناراض کرے گا۔

اس حقیقت پر ہمارا تجربہ و مشاہدہ شاہد ہے۔ اور پھر مخلوق کی تعریف و توصیف نہ تو رزق میں اضافہ کا موجب ہے۔ اور نہ ہی ان کی مذمت ایام حیات کی کمی اور رزق کی تنگی کا سبب ہے۔ اور پھر سخت احتیاج کے دن یعنی قیامت کے دن یہ تعریف و توصیف بھی کسی طرح سے کارآمد ثابت نہیں ہو سکے گی۔

پھر اس حقیقت کے جاننے کے بعد بھی انسان ریا کا خوگر کیوں بنے آخر اس میں اس کی منفعت کا کوئی پہلو بھی تو مضمر نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص لوگوں سے مال حاصل کرنے کی غرض سے ریا کاری کو اپنا شعار بناتا ہے تو اسے اچھی طرح سے سوچ لینا چاہیئے کہ دلوں کو مسخر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کی مناجات کے یہ الفاظ ہمیشہ پیش نظر رہنے چاہیں۔ اللھم لا معطی لمن منعت ولا مانع لمن اعطیت۔ پروردگار جس سے تو رزق روک لے اسے کوئی کچھ نہیں دے سکتا اور جسے تو دینا چاہیئے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ رازق حقیقی ذات پروردگار ہی ہے جب وہ کسی کو عطا کرتا ہے تو اسے اپنا

احسان یاد نہیں دلاتا۔ لوگوں کو اس کی بے کسی کی اطلاع نہیں دیتا اور مخلوق میں اسے طعنہ کبھی نہیں دیتا۔

اس کے برعکس اگر مخلوق کسی کو کچھ عطا بھی کرے تو احسان جتلاتی ہے لوگوں کو اس کی بدحالی اور فقر و فاقہ کی اطلاع کرتی ہے اور اکثر اوقات اسے رسوا کرتی رہتی ہے۔

خالق کائنات کی شانِ کریمی اور مخلوق خدا کی نااہلی کو حضرت امام زین العابدین نے اپنی مشہور دعا میں اس طرح سے بیان کیا ہے۔

الھی اذالم اسئلک فتعطینی فمن ذا الذی اسئلہ فیعطینی الھی اذالم ادعک فتستجیب لی فمن ذا الذی ادعوہ فیستجیب لی الھی اذالم اتضرع الیک فترحمنی فمن ذالذی اتضرع الیہ فیر حمنی۔

(ترجمہ) پروردگار! جب میں تجھ سے سوال نہیں کرتا تو پھر بھی مجھے عطا کرتا ہے تو کائنات میں ایسا کون ہے جس سے میں سوال کروں اور وہ مجھے عطا کرے۔

پرور گار! جب میں تجھ سے دعا نہیں مانگتا تو پھر بھی قبول کرتا ہے تو ایسا کون ہے جسے میں پکاروں اور وہ میری حاجات برلائے۔

پروردگار! جب میں تیرے حضور عاجزی نہیں کرتا تو پھر بھی تو مجھ پر رحم کرتا ہے تو کون ایسا ہے جس کے سامنے میں عاجزی کروں اور وہ مجھ پر رحم کرے۔ اس لیئے انسان کو مخلوق سے صرفِ نظر کر کے اپنے خدا کی رضاء کے لیئے کوشاں رہنا چاہیئے۔

اپنے جیسے انسانوں سے امیدیں وابستہ رکھنا غلط ہے ممکن ہے کہ کبھی امید بر بھی آئے تو بھی احسان جتلا کر اپنی نیکی کو مکدر کرنے سے لوگ باز نہیں آتے۔

اسی لیئے اپنی تمام تر امیدیں اللہ سے وابستہ رکھنی چاہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے احسانات جتلا کر کسی کو کبھی رسوا

نہیں کرتا۔ اور انسان کا احسان فقر اور موت یا غیبت کی وجہ سے منقطع ہو جاتا ہے جب کہ اللہ پر فقر کا کوئی احتمال نہیں ہے کیونکہ وہ غنی مطلق ہے اور تمام مخلوق اس سے مانگنے والی ہے۔ اللہ پر موت بھی وارد نہیں ہوگی کیونکہ وہ حی و قیوم ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور اللہ نے غائب بھی نہیں ہونا۔ وما کنا غائبین (ہم غائب نہیں ہوں گے) اللہ کے سوا جب کچھ بھی ہے وہ محتاج مطلق ہے جنہیں نفع و نقصان، حیات و موت پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ ہماری زندگی کے تجربہ کا خلاصہ یہ ہے مخلص انسان کے لیئے اللہ تعالی لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دیتا ہے اور تمام صالحین بلکہ فاسقین و کافرین تک اس کا ادب و احترام کرتے ہیں اور اس سے اپنے حق میں دعا کے طلب گار ہوتے ہیں۔

خبث باطن کی اطلاع اللہ تعالی لوگوں کو دے دیتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس کا کوئی وقار پیدا نہیں ہوتا اور یوں اس کی تمام تر جدوجہد رائیگاں ہو جاتی ہے اور مذکورہ فرد خسر الدنیا و الاخرۃ کا مصداق بن جاتا ہے۔

روایت ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے اپنے ذہن میں یہ عہد کیا کہ میں اللہ تعالی کی اتنی عبادت کروں گا کہ پوری قوم میں میری عبادت کی شہرت پھیل جائے گی چنانچہ وہ سب سے پہلے عبادت گاہ میں داخل ہوتا اور سب سے آخر میں عبادت گاہ سے باہر نکلتا اور ہر وقت قیام و قعود میں لگا رہتا اور لگاتار روزے رکھتا۔ کافی عرصہ تک وہ یہی کچھ کرتا رہا۔ اس اثناء میں وہ جہاں سے بھی گذرتا تو لوگ کہتے کہ اس ریا کار کو خدا غارت کرے یہ ہر وقت دکھاوے کی عبادت کرتا رہتا ہے۔

چند دن کے بعد اس شخص نے اپنے دل میں عہد کیا کہ میں نے مخلوق کی تعریف و توصیف کے لیئے عبادت کی تھی لیکن میں پھر بھی اس تعریف سے محروم رہا۔ آئندہ کسی کی تعریف کی بجائے خالص اللہ کے لیئے عمل کروں گا۔

پھر اس نے تمام عبادت اللہ کے لیئے کرنی شروع کر دی۔ اس کے بعد وہ جہاں سے بھی گذرتا تو لوگ اس کے حق میں دعائے خیر کرتے اور کہتے کہ اللہ تعالی فلاں پر رحم کرے اب وہ صحیح نیکی کرنے لگا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں اس حقیقت کی طرف بایں الفاظ اشارہ کیا ہے ۔ ان الذین امنوا و عملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمان ودا ۔

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیئے ان کے لیئے رحمان محبت پیدا کرے گا ۔

بالغرض محال یہ تصور کریں کہ اس ریا کاری کی وجہ سے لوگ آپ سے محبت بھی کرنے لگیں اور آپ کی تعظیم و تکریم بھی کریں اور تمہارا خبثِ باطن بھی ان پر مخفی رہے مگر اللہ تمہاری نیت کے فساد سے واقف ہو اور آپ پر ناراض ہو تو اب آپ خود فیصلہ کریں کہ آپ اللہ کے نزدیک قابل مذمت ہو کر لوگوں کے ممدوح بنیں یہ بہتر ہے یا آپ لوگوں کی نگاہوں میں قابل مذمت ہوں اور اللہ کی نظر میں آپ لائق تعریف ہوں اور اہل جنت میں آپ کا شمار ہو یہ بہتر ہے ؟

یقیناً ہر صاحب علم دوسری صورت کو اپنے لیئے پسند کرے گا اس لیئے کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں آخرت کا تصور اور نعیم ابدی کا خیال موجود ہو گا تو وہ دنیاداروں کی صفت و ثناء کو ہیچ تصور کرے گا ۔ اور لوگوں کی تعریف و مذمت سے بالاتر ہو کر اللہ کے لیئے ہی اپنا عمل بجا لائے گا ۔

ریا کاری کے نقصانات کا سرسری جائزہ لینے کے لیئے درج ذیل مثال پر غور فرمائیں ۔

مثلاً آپ کو پتہ چلتا ہے کہ ایک شخص کے پاس ایک انتہائی قیمتی گوہر آبدار موجود ہے اور اس کو اتنی دولت کی شدید ضرورت بھی ہے ۔ چنانچہ ایک منصف جوہری نے اسے پوری قیمت دینے پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا ۔ لیکن اس گوہر کے مالک نے مذکورہ گوہر کو اس منصف جوہری کے ہاتھ نہ بیچا اور آخر کار ایک پیسے کے بدلے کسی نااہل کے پاس فروخت کر دیا تو ایسے شخص کو ہر انسان خفیف العقل سمجھے گا ۔ اور اس کی انتہائے نادانی پر سخت تعجب کرے گا اور اسے فہم و فراست سے عاری تصور کرے گا ۔ بعینہ یہی حال ریا کار انسان کا ہے کیونکہ اگر انسان اپنی عبادت کو اخلاصِ عمل کے جذبہ سے سرشار ہو کر بے ریا طریقہ سے بجا لائے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر عظیم عطا فرماتا

ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی کے دکھاوے کی خاطر عمل کرے تو وہ اجر عظیم ختم ہو جاتا ہے۔ اور ایک فانی انسان کے رضاء توصیف کے متعلق بھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اور یہ عظیم خسارہ ہے اور ظاہر ہے کہ اتنے بڑے گھاٹے کا سودا صرف وہی کر سکتا ہے جو علم و فراست سے بالکل کورا ہو۔ کسی عقل مند سے اس سودے کی توقع عبث ہے۔

اگر انسان کو ہر قیمت پر اپنے عمل کی جزاء کی ضرورت بھی ہو تو بھی اسے چاہیئے کہ اپنے دنیاوی عمل کے بدلہ میں نعیم آخرت کا سودا کرے تاکہ اسے منفعت حاصل ہو۔ ہاں اگر کوئی صاحب فضل و ہمت بہت زیادہ منفعت حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ اپنے عمل کے بدلے آخرت کا بھی طالب نہ بنے اسے چاہیئے کہ وہ صرف اللہ کا طلب گار بنے۔ اور جب کوئی شخص محض خدا کا طلب گار بنے گا تو اللہ اسے دونوں جہانوں کی سرفرازی عطا فرمائے گا۔ کیونکہ دنیا و آخرت کا حقیقی مالک وہی ہے۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ من کان یرید ثواب الدنیا فعنداللہ ثواب الدنیا والاخرۃ۔

جو کوئی دنیا کے ثواب کا طلب گار ہو تو اللہ کے پاس دنیا و آخرت کا ثواب ہے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے۔ ان اللہ یعطی الدنیا بعمل الاخرۃ ولایعطی الاخرۃ بعمل الدنیا۔

بے شک اللہ آخرت کے عمل کے ذریعہ سے دنیا عطا کرتا ہے لیکن دنیا کے عمل کے ذریعہ سے آخرت عطا نہیں کرتا۔

لہذا جب آپ آخرت کے طلب گار بنیں گے تو آپ کو دنیا و آخرت دونوں نصیب ہوں گی۔ لیکن اس کے برعکس آپ اگر صرف دنیا کے طالب بنیں گے تو آخرت سے تو یقینی طور پر محروم رہیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ احتمال بھی ہے کہ آپ شاید دنیا کے حصول میں بھی ناکام رہیں۔ اگر بالفرض آپ دنیا کے حصول میں

کامیاب ہو بھی جائیں تو بھی وہ دنیا چند دن تک آپ کے پاس رہے گی۔ آخر کار آپ سے علیحدہ ہو جائیگی اگر آپ کو دنیا نہ بھی چھوڑے تو آپ دنیا کو چھوڑ کر ملک عدم کے راہی بن جائیں گے۔ اور یوں آپ کا شمار دنیا و آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گا۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنی زندگی کو خداوند عالم کا عظیم عطیہ سمجھے اور اس کے ہر نفس کو اپنے لیئے کارآمد بنائے اور ہر نفس کے ذریعہ خداوند عالم کے خزانوں میں سے ایک خزانہ حاصل کرے۔ اور ایسا شخص مطلق طور پر گھاٹے میں ہے جو خزانے حاصل کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود صرف اپنی خستِ طبع کے باعث چند سکوں پہ قناعت کر بیٹھے۔

بیماریِ ریا کا ایک اور نسخہ :-

جو شخص ریا کاری کے مرض میں مبتلا ہو اسے چاہیئے کہ وہ چند لمحات کے لیئے اس حقیقت پر غور کرے کہ میں جن کی رضا مندی اور تعریف کے حصول کے لیئے سرگرداں ہوں، اگر انہیں میری اس نیت کا علم ہو جائے تو وہ مجھے لعنت ملامت کریں گے اور محبت کی بجائے نفرت کریں گے۔ توصیف کی بجائے مذمت کریں گے۔ اور اس کا دوسرا پہلو بھی تو ہے کہ اگر میں خالص اللہ کے لیئے عبادت شروع کروں تو اللہ تو میرے اخلاص کو جانتا ہی ہے۔ اور وہ میرے اخلاص کی وجہ سے مجھ سے محبت کرے گا اور دنیا و آخرت کی سعادت نصیب کرے گا۔ اور وہ مجھے نہ صرف اپنا محبوب بنائے گا بلکہ تمام اہل ایمان کا بھی محبوب قرار دے گا۔ اب جب کہ دوسرے پہلو میں فریقین کی رضا مضمر ہے تو اسے چھوڑ کر صرف مخلوق کی رضا جوئی کے لیئے ہی میں عمل کیوں کروں ؟

ہمیں امید ہے کہ ہمارا بتایا ہوا یہ نسخہ انتہائی کارگر ثابت ہو گا (انشاء اللہ)

ریا کاری کے ابطال کا ایک اور مجرب نسخہ:-

فرض کریں کہ ایک شخص اپنے کسی عمل کی وجہ سے ایک صاحب جبروت سلطان کا مقرب بن سکتا ہو لیکن وہ شخص قرب شاہی پر کسی سقے کی رضا کو ترجیح دے تو اس شخص کے سوء انتخاب پر ہر شخص اسے احمق سمجھے گا۔

بعینہ اگر کوئی شخص اپنے عمل کو ریا کاری کی غرض سے نہ بجا لائے بلکہ خالصتاً اللہ کے لیئے عمل کرے تو یقیناً اسے مالک الملک کا قرب میسر آ سکتا ہے۔ لیکن کتنا احمق ہے وہ انسان جو مالک الملک کو چھوڑ کر اپنے جیسے فانی بندے کی رضا کے لیئے عمل کرتا ہے۔ قرب سلطانی سے منحرف ہو کر ایک عام سقے کے قرب کے متلاشی ہوا ایسے انسان کی ہر عقل مند مذمت کرے گا اور اسے کہے گا کہ آخر تجھے کیا مجبوری تھی کہ تو نے قرب سلطانی میسر آسکنے کے باوجود اس سے اعراض کر کے ایک عام شخص کے قرب و رضا کی جستجو کی؟

اسی طرح سے ریا کار شخص بھی عقلاء کے نزدیک انتہائی لائق مذمت و نفرت ہے کیونکہ اس بدنصیب نے خداوند قدوس کی رضا پر ایک عام شخص کی رضا کو ترجیح دی ہے۔

ہمیں توقع ہے کہ ان علمی ادویہ کی وجہ سے خداوند عالم ریا کاروں کو ان کی غلطی سے متنبہ ہونے کا موقع عطا فرمائے گا۔

مذکورہ تینوں طریقے فکری دوا کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ریا کاری سے بچنے کے لیئے عملی صورت یہ ہے کہ ایسے شخص کو ہمیشہ چھپ کر عبادت کرنی چاہیئے۔ اور عبادت کے وقت تمام دروازے کھڑکیاں بند کر دے اور ایسے شخص کو چاہیئے کہ اپنے قلب و دماغ پر جبر کرتے کہ وہ اپنے عمل کی بنیاد اخلاص پر قرار دیں۔ اور ہمیشہ کوشش کرے کہ شعوری طور پر غیر اللہ کے سامنے اپنی عبادت کا اظہار نہ کرے۔ عبادت کا یہ عملی طریقہ اگرچہ چند ابتدائی ایام میں تو گراں گذرے گا لیکن آہستہ آہستہ انسانی طبیعت

اس سے مانوس ہو جائے گی۔ اور یوں اخفائے عبادت کی وجہ سے انسان لطفِ خداوندی کا سزاوار قرار پاسکے گا۔ اور قانون قدرت بھی یہی ہے۔ ان اللہ لایغیر ما بقوم حتی یغیروا مابانفسہم ۔ بے شک اللہ اس وقت تک کسی قوم کی حالت تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ اپنی حالت خود نہ تبدیل کرتے۔

اور اسی قانون قدرت کو قرآن مجید کی ایک اور آیت مجیدہ میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ جو لوگ ہمارے متعلق جستجو کریں گے ہم یقیناً انہیں اپنی راہوں کی ہدایت کریں گے۔

خود پسندی کا علاج

اگر کبھی انسان اپنی عبادت پر گھمنڈ کرنے لگے اور خود پسندی کا شکار ہونے لگے تو اسے چاہیئے کہ وہ ان علل و اسباب پر نظر کرے جن کی وجہ سے وہ عبادت کرنے کے قابل بنا اور اگر کوئی شخص ان اسباب کو تلاش کرے تو اسے سرفہرست یہ اسباب نظر آئیں گے۔

۱۔ عبادت کی طاقت۔ ۲۔ علم۔ ۳۔ اعضاء۔ ۴۔ رزق جسے کھا کر عبادت کے قابل بنا۔

اب درج بالا اسباب پر اگر انسان تھوڑا سا تامل کرے تو اسے اس حقیقت کا بخوبی ادارک ہو جائے گا کہ مذکورہ چاروں اسباب اس کے اپنے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ یہ سب عطیہ خداوندی ہیں۔ اگر مذکورہ اسباب نہ ہوتے تو یہ شخص عبادت سرانجام نہ دے سکتا۔ اس کے علاوہ عبادت گذار کو اللہ کی ایک اور عظیم نعمت یعنی ارسال رسل اور تخلیق عقل پر توجہ کرنی چاہیئے۔ پھر اس عظیم نعمت کے مقابلہ میں اپنی عبادت کا وزن کرے۔ یقیناً اللہ تعالی کی نعمات کا پلڑا انتہائی بھاری ہو گا اور اسکے مقابلے میں اس کی عبادت کی چنداں حیثیت نہیں ہو گی۔

جی ہاں یاد رکھیں کہ بذات خود عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ عمل بارگاہ احدیت میں مقبول ہو جائے اور اللہ اس پہ راضی ہو جائے تو پھر اس کی بہت زیادہ قیمت ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک مزدور صرف دو درہموں کی خاطر سارا دن زحمت و مشقت برداشت کرتا ہے۔ اور پہریدار معمولی اجرت کے عوض تمام رات جاگتا رہتا ہے۔ اسی طرح سے باقی صنعت و حرفت کا معاملہ ہے جس کی قیمت معدودے چند درہم قرار پائی ہے۔

لیکن اب توجہ فرمائیں کہ اگر آپ اللہ کے لیئے عمل سرانجام دیں تو اس کی قدر و قیمت کیا بنتی ہے۔ مثلاً آپ نے روزہ رکھا تو اس کی قیمت کے لکھنے سے فرشتے عاجز آجاتے ہیں۔ آخر الامر خداوند عالم یہ کہتا ہے الصوم لی وانا اجزی بہ روزہ میرے لیئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ آپ نے کسی موقع پر صبر کیا تو اس کی اجرت کا

اعلان کچھ یوں کیا گیا۔ انما یو فی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔ صبر کرنے والوں کو بے حساب ان کا اجر دیا جائے گا۔ حدیث قدسی میں ہے۔ اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر میں نے اپنے نیک بندوں کے لیئے وہ کچھ تیار کیا ہے جسے نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی کسی کان نے سنا ہو گا اور نہ ہی کسی انسان کے دل نے ایسا سوچا ہو گا۔

لہذا انسان کو چاہیئے کہ وہ خود پسندی سے باز آجائے کیونکہ جس شخص کے سارے دن کی اجرت فقط دو درہم قرار پاتی ہو اسے صرف ایک روزہ رکھنے پر اتنی بڑی اجرت مل جائے تو یہ خالص عطیہ خداوندی ہے اور اس کے فیض عام کا ثبوت ہے ورنہ اس انسان کی حقیقی اجرت تو صرف دو درہم ہی بنتی ہے۔

وہ انسان جو تمام شب پہریداری کرے اس کی اجرت ایک آدھ درہم سے زائد نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص تمام رات نوافل میں بسر کرے تو بارگاہ احدیت کی طرف سے اس کی اجرت کا اعلان یہ کیا جاتا ہے۔ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون۔

ان لوگوں کی کارگزاریوں کے بدلے میں کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیئے ڈھکی چھپی رکھی ہے۔ اس کو تو کوئی شخص جانتا ہی نہیں۔ تو اب غور فرمایئے کہ جس کی اجرت ایک درہم سے زائد نہ تھی اس کو یہ سب کچھ عطا کیا جائے تو یہ اس کے عمل کی قیمت نہیں ہو گی بلکہ اللہ تعالی کا بے پایاں کرم ہو گا۔

خداوند عالم کی شان کریمی کی تو مثال ہی نہیں ملتی مثلاً ایک شخص نے فقط دو رکعات نماز ادا کی یا کسی نے زبان سے لا الہ الا اللہ کہا۔ تو اللہ تعالی کی طرف سے اجرت یوں بیان کی گئی۔ و من عمل صالحا من ذکر او انثی و ھو مومن فاولئک یدخلون الجنۃ و یرزقون فیھا بغیر حساب۔ اور جو کوئی نیک کام خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور انہیں وہاں بے حساب رزق دیا جائے گا۔ اسی لیئے عمل کرنے والے کو چاہیئے کہ اپنے عمل کی بے مائیگی اور قلتِ مقدار کو دیکھے اور پھر اس بے مایہ عمل کی اتنی

میں اجرت کو بھی دیکھے۔ اس لیئے اس اجرت کو اپنے عمل کی جزا نہ سمجھے بلکہ خداوند کریم کی عطا سمجھے۔

لہذا انسان کو اپنی عبادت پر کبھی بھی گھمنڈ نہ کرنا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس عظیم جزا سے محروم ہو جائے اور رضائے خداوندی کے حصول میں ناکام ہو جائے۔ انسان کو ہمیشہ میزان انصاف میں نعمات الہی اور اپنی عبادت کا موازنہ کرتے رہنا چاہیئے۔ آیا اس کی عبادت نعمات الہی کے مقابل میں پوری ہے یا اس کا ہزارواں حصہ بھی نہیں ہے؟ اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ شکر نعمت بھی تو توفیق خداوندی کے بغیر ادا نہیں کیا جا سکتا؟

جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ تم میرے شکر کا حق ادا کرو۔ حضرت داؤد نے عرض کیا پالنے والے میں تیرے شکر کا حق کیسے ادا کر سکتا ہوں۔ جب کہ شکر بھی تو تیری نعمت ہے اور پھر اس نعمت پر بھی ایک اور مزید شکر کی ضرورت ہے۔

جب حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی عاجزی کا اعتراف کیا تو اللہ تعالی نے فرمایا داؤد! جب تم نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا تو تم نے میرے شکر کا حق ادا کر دیا۔ روایت ہے کہ ایک واعظ نے ایک بادشاہ کو کہا تھا کہ اگر تمہیں شدید پیاس ہو تو تمہیں اس وقت پانی نہ ملے اور اتفاق سے ایک شخص کے پاس پانی کا جام موجود ہو تو آپ پانی کے بدلے کیا اجرت دیں گے؟ تو بادشاہ نے کہا میں اسے اپنی آدھی سلطنت دے کر پانی حاصل کروں گا۔

واعظ نے یہ سن کر کہا اچھا یہ بتائیں وہ پانی آپ کے اندر رک جائے اور پیشاب بن کر باہر نہ نکلے اور آپ سخت تنگی محسوس کر رہے ہوں تو آپ پیشاب کے اخراج پر کیا کچھ خرچ کر سکیں گے؟ بادشاہ نے کہا آدھی حکومت خرچ کر دوں گا تاکہ میرے مثانہ سے پیشاب کا اخراج ہو سکے اور میں اس کی اذیت سے نجات حاصل کر سکوں۔

واعظ نے اسے کہا بادشاہ سلامت یہ تو ہے تمہاری حکومت و سلطنت کی قیمت۔ آدھی حکومت پانی کے ایک گلاس میں چلی گئی اور آدھی اس کے اخراج میں چلی گئی۔ جب ایک گھونٹ پانی اتنا قیمتی ہے تو کبھی سوچا کہ تم روزانہ کتنی مرتبہ مفت پانی پیتے ہو اور مفت اس کا اخراج کرتے ہو۔ علاوہ ازیں خداوند عالم کی دوسری نعمات کی کیا

بےنعمتیں ادا کرو گے جو اس نے تمہیں عطا فرمائی ہیں۔ اس نے سونگھنے کیلئے قوت شامہ بنائی اور پھر خوشبوئیں بنائی ۔ تمہارے چلنے کے لیئے پاؤں بنائے اور پکڑنے کے لیئے ہاتھ بنائے ۔ تمہیں قوت باصرہ عطا فرمائی ۔ تمہیں مختلف اعضاء و جوارح عنایت فرمائے ۔ بلاشبہ اگر تم خدا کی نعمات گننا چاہو تو گن نہیں سکو گے ۔

جب ایک طرف سے نعمات خدوندی لاتعداد ہیں اور دوسری طرف سے اگر عبادت قبول بھی ہو جائے تو بھی انتہائی کم ہے پھر اس محدود عبادت پر ناز کیسا اور اس پر گھمنڈ کیسا ؟

اگر انصاف کے ترازو میں نعمات اور اپنی قلیل عبادت کا موازنہ کرو گے تو اپنے آپ کو بالکل تہی دامن پاؤ گے ۔ اور آپ کے پاس اپنی کوتاہیوں کے اقرار اور اللہ تعالی کئے نعمات کی فراوانی وارزانی کے اعتراف کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہو گا اور اپنے آپ کو عیب دار تصور کرو گے ۔ جب پھر رحمت الہی کے حقدار بن سکو گے ۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ۔ من مقت نفسه دون مقت الناس امنه الله من فزع یوم القیامة ۔ جو لوگوں کی سرزنش کے بغیر اپنے نفس کو سرزنش کرے تو اللہ اسے قیامت کے خوف سے امن دے گا ۔ روایت ہے کہ ایک عابد نے مسلسل ستر برس خداوند عالم کی عبادت کی دن کو ہمیشہ روزہ رکھا اور رات کو نوافل میں بسر کی پھر اس نے اللہ سے ایک حاجت طلب کی تو اس کی حاجت پوری نہ ہوئی ۔ وہ اپنے نفس کی جانب متوجہ ہوا اور کہا یہ سب کچھ تیری ہی وجہ سے ہے اگر تیرے اندر کوئی اچھائی ہوتی تو حاجت پوری ہو جاتی ۔

اللہ تعالی نے اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجا اور فرشتہ نے خداوند تعالی کا یہ پیغام پہنچا تیری زندگی کی صرف یہی ایک گھڑی جس میں تو نے اپنے نفس کو قصور وار ٹھہرایا ہے یہ تمہاری ستر سالہ عبادت سے افضل ہے ۔ خود پسندی کے خاتمہ کے لیئے تین امور پر توجہ فرمائیں ۔

اول ۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بادشاہ اپنے نوکروں کی کچھ تنخواہ مقرر کرتے ہیں ۔ اور وہ نوکر اس تنخواہ کی وجہ سے دن رات مشقت و محنت سے کام کرتے ہیں ۔ بعض دفعہ انہیں رسوا کن امور بھی سرانجام دینے پڑتے ہیں ۔ وہ انہیں

بطیب خاطر سرانجام دیتے ہیں۔

کچھ نوکر بادشاہ کی حفاظت کے لیئے ساری ساری رات اس کا پہرہ دیتے ہیں اور یوں نوکری ادا کرتے ان کی عمر بیت جاتی ہے۔ بادشاہ کے کچھ نوکر اس کی حاجات کی براری کے لیئے کوشاں رہتے ہیں۔ بعض نوکر بادشاہ کے سامان لانے لے جانے پر مامور ہوتے ہیں اور وہ خطرناک سمندروں کو عبور کرتے رہتے ہیں۔ کچھ اور لوگ بادشاہ کے لشکری ہوتے ہیں اور وہ بادشاہ کی "جوع الارض" کی خواہش کے تحت اپنا سر قربان کر دیتے ہیں۔

یہ سب کچھ خسیس اور فانی نوکری کے لیئے سرانجام دیا جاتا ہے پھر آپ نے نوکران شاہ کو دیکھا ہو گا کہ وہ اپنے کارناموں پر نہیں اتراتے اور بادشاہ پر اپنا احسان نہیں جتلاتے حالانکہ بادشاہ انہیں صرف چند روزہ مادی منفعت پہنچانے کا وعدہ کرتا ہے اور وہ بادشاہ خود بھی ہر چیز پر قدرت نہیں رکھتا مثلاً اگر بادشاہ چاہے تو گندم کا ایک دانہ اپنی طرف سے نہیں اگا سکتا اور نہ ہی جلانے کی لکڑی بنانے پر اسے قدرت حاصل ہے۔ بایں ہمہ تمام نوکران شاہ بڑے خلوص سے اپنے فرائض منصبی کو ادا کرتے ہیں۔ نوکرانِ شاہ کے کردار سے سبق حاصل کریں۔

اب ذرا آپ اپنے حال زار پر بھی نظر ڈالیں۔ آپ اس ذات اللہ کی عبادت کر رہے ہیں۔ جس نے آپ کو پردہ کتم سے نکالا اور عرصہ وجود میں لا حاضر کیا۔ پھر تمہاری تربیت کی اور تمہیں اپنی ظاہری اور باطنی نعمات سے مالا مال کیا اور تمہیں اتنی نعمات عطا کیں جن کے شمار سے تم عاجز ہو۔ اتنے عظیم محسن کی اگر آپ عبادت کرتے ہیں تو اس عبادت کے صلہ کا بھی تو اس نے وعدہ فرمایا ہے پھر آپ اپنی عبادت پہ ناز کس برتے پر کرتے ہیں۔ اور اپنی عبادت پر مغرور کیوں ہیں؟

نوکران شاہ سے وفاداری کا سبق سیکھیں اور اپنے خدا کے کم از کم اتنے تو مخلص بنیں جتنا ایک نوکر اپنے آقا کے لیئے ہوتا ہے۔

دوم:۔ فرض کریں کہ ایک شہنشاہ معظم نے اپنے دربار میں ہدیے اور تحفے لانے کا اذن عام دے دیا اور یہ اعلان

یعنی کیا وہ ہر طرح کا ہدیہ اور تحفہ قبول کرے گا اور اس پر انعام و اکرام بھی عطا فرمائے گا۔
یہ اعلان سن کر مملکت کے بڑے بڑے روساؤ اکابرین انتہائی نادر تحفے لے کر بادشاہ کے حضور نذر کرنے گئے اور ایک سبزی فروش بے چارہ جس کے پاس نذر کرنے کو کچھ بھی نہ تھا اس نے ایک عام سبزی کی کچھ مقدار اٹھائی اور وہ بھی ہدیہ دینے کی غرض سے چلا گیا۔ اب اگر شہنشاہ اس کی سبزی قبول کرتے ہوئے لاکھوں دینار مالیت کی خلعت فاخرہ اسے عطا کرتے تو اسے شہنشاہ کی دریا دلی پر محمول کرنا چاہیئے۔ حقیر گاجر مولی کی قیمت نہیں سمجھنا چاہیئے لہذا سبزی فروش کو حقیر گاجر مولی پہ ناز نہیں کرنا چاہیے۔
اسی طرح سے خداوند عالم کے حضور جہاں انبیائے کرام اور ملائکہ مقربین، کرو بیین، ائمہ دوسریٰ، شہدا و صدیقین و صالحین اپنی عبادتوں کا نذرانہ پیش کرنے والے موجود ہوں وہ ان کی موجودگی میں تمہاری حقیر عبادت کو قبول کر لے تو وہ یہ اس کی شان کریمی ہے اس میں تمہاری عبادت کی پھر بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔
سوم :۔ ایک عظیم المرتبت سلطان جس کے حضور بادشاہ حاضری دینا اپنے لیئے باعث افتخار سمجھتے ہوں اگر وہ ایک عام دہقان کو اپنا مقرب بنا لے اور چند دنوں کے بعد وہ دہقان مقربان خاص کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بہتر سمجھنے لگے اور اپنی خدمت پر غرور کرنا شروع کر دے تو ہر اہل عقل اس کے اس فعل کو قابل مذمت سمجھے گا۔ اسی طرح سے خداوند رب العالمین جو کہ آسمان و زمین کا مالک ہے اور انبیائے کرام جس کے خاص بندے ہیں اور جس کی عبادت اور تعمیل فرمان کے لیئے لاتعداد ملائکہ مقربین موجود ہیں، جن میں کچھ فرشتے ایسے ہیں کہ ان کے قدم زمین کے اندر دھنسے ہوئے ہیں اور ان کے سر عرش کو لگتے ہیں اور وہ تعظیم خداوندی کی وجہ سے اپنی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے اور اپنا سر بلند نہیں کرتے۔ اور جب اللہ انہیں موت دینا چاہتا ہے تو سر اٹھا کر یہی کہتے ہیں۔ سبحانک ما عبدناک حق عبادتک۔ (تو پاک ہے ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہ ہو سکا) جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عبادت کا حال آپ کے سامنے ہے۔ آئمہ ھدی علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عبادت کو بھی آپ

بخوبی جانتے ہیں اگر ان کی عبادت کا مختصر حال لکھا جائے تو بھی وہ ضخیم کتاب بن جائے ۔ بایں ہمہ وہ بھی اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔

جب نفوس قدسیہ اور ذوات قادسہ و مقدسہ کا یہ حال ہو تو ایک عام عمل کرنے والا شخص اپنے عمل پہ غرور و مباہات کرنے لگے تو اسے خلل دماغ سے ہی تعبیر کیا جائے گا ۔ اگر ہم اپنے اعمال و اطوار کا بغور جائزہ لیں تو ہمیں غلطیوں کا پلڑا بھاری نظر آنے گا ۔

پروردگار عالم ! ہمیں ہمارے اعمال پر تکیہ کرنے والا قرار نہ دینا ۔ اور ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرمانا ۔ اور ہم گناہ گاروں کو اپنے فضل کے زیر سایہ رکھنا ۔ اور ہمارے دلوں کو اپنے جوار قدس کی رہنمائی فرماتے رہنا ۔ ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی فرمانا ۔ اور ہمیں معاف فرما دینا ۔ کیونکہ معاف کرنا تیری پرانی عادت ہے ۔

پروردگار ! تو ہی سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے ۔ اور تو ہی اکرم الاکرمین ہے ۔ خداوند ! ہمیں اپنے کسی بھی عمل پہ بھروسہ نہیں ہے ۔ ہاں اگر ہمیں بھروسہ ہے تو فقط تیرے جود و کرم کا ہے اے بے سہاروں کو سہارا دینے والے ! اور اے دعاؤں کے قبول کرنے والے ۔

ہماری دعاؤں کو اپنی شان کریمی سے قبول فرما ۔ کیونکہ تو نے دعا کا حکم دیا ہے اور قبولیت کی ضمانت دی ہے اور تیری ذات جواد کریم ہے ۔

بحث ثانی

دیگر نمازوں کا بیان

نماز جمعہ :-

معلوم ہونا چاہیئے کہ روز جمعہ ایک باعظمت دن ہے ۔ اور ملت اسلامیہ کی عید ہے ۔ اس دن کو اللہ تعالی نے امت اسلامیہ کیلئے مخصوص فرمایا ہے ۔ اور اپنا مقام قرب عطا کرنے اور اپنی دوزخ سے دور کرنے کیلئے اس دن میں ایک مخصوص وقت مقرر فرمایا ہے ۔ اور اس دن خصوصی طور پر نیک اعمال کی تشویق کی گئی ہے ۔ تاکہ ہفتہ کے سابقہ ایام کی تمام غلطیوں کی تلافی ہو سکے ۔ اس دن نماز جمعہ کو خصوصی قریب کرنے والی اطاعت قرار دیا گیا ہے ۔ اللہ تعالی نے نماز جمعہ کو افضل العبادات قرار دیتے ہوئے قرآن مجید میں اس کا خصوصی حکم دیا ہے ۔ اور ارشاد فرمایا ہے ۔ یا ایھا الذین امنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروالبیع ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ۔ اے ایمان والو : جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کے لیئے اذان دی جائے تو خدا کی یاد (نماز) کی طرف دوڑ پڑو ۔ اور (خرید و) فروخت چھوڑ دو ۔ اگر تم سمجھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے ۔ اس آیت مجیدہ میں اہل علم و فہم کے لیئے بہت سے مطالب بیان کیئے گئے ہیں ۔

اس آیت میں اہم نکتہ یہ ہے کہ نماز جمعہ کو "ذکر اللہ" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ اور اس لفظ کے ذریعہ سے اللہ تعالی نے اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے کہ نماز چند حرکات و سکنات اور رکوع و سجود سے ہی عبادت نہیں ہے بلکہ نماز کا مقصد قلب سے ذکر الہی کرنا ہے ۔ اور ذہن میں اسے عظیم سمجھنا ہے ۔ اور جب نماز واقعی (ذکر اللہ) بنے گی تو اس وقت وہ برائی اور بے حیائی سے منع کرے گی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر برائی اور بے حیائی قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ سے جنم لیتی ہے ۔ اور جب انسان کی فکر ہر وقت ذکر اللہ پر ہوگی تو انسان ان دونوں قوتوں

پیم غالب آجائے گا۔ نماز جمعہ کو مطلق ذکر اللہ قرار دیا گیا ہے۔

اور واضح سی بات ہے کہ جب یہ نماز اس قدر اہمیت کی حامل ہے تو اس کیلئے خصوصی تیاری کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ انسان پوری تیاری کر کے اپنے مالک الملک کے حضور حاضری دے سکے۔

آپ اپنے ذہن میں یہ تصور کریں کہ اگر ایک عظیم بادشاہ آپ کو اپنے دربار میں بلا کر آپ سے گفتگو کرنا چاہے تو آپ اس کے لیئے کس قدر تیاری کریں گے۔ صاف سیدھی سی بات ہے کہ آپ نہائیں گے، میل کچیل سے اپنے آپ کو صاف کریں گے اور عمدہ لباس زیب تن کریں گے اور اگر آپ کے امکان میں ہو گا تو آپ خوشبو وغیرہ بھی ضرور لگائیں گے اور پورے سکون و وقار سے اس کے ہاں حاضری دیں گے۔ بعینہ نماز جمعہ بھی رب العالمین کے حضور شرف مخاطبت کا ذریعہ ہے اسی لیئے روز جمعہ کا غسل مسنون ہے۔ اور اس دن حجامت کرنے کی بھی تاکید وارد ہے اور خوشبو لگانے اور عمدہ لباس پہننے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ یہ تمام چیزیں اگرچہ انسان کی اپنی شخصیت کو بھی نمایاں کرتی ہیں لیکن آپ یہ اعمال اپنی شخصیت کو بھی نمایاں کرنے کی غرض سے نہ بجا لائیں بلکہ انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سمجھ کر کریں تاکہ آپ کی شخصیت بھی نکھر سکے اور اس کے ساتھ آپ عظیم ثواب کے بھی حق دار بن سکیں۔

جب آپ خانہ خدا کے زائر بن کر خوشبو لگا کر وہاں وارد ہوں گے تو دوسرے مسلمانوں کو بھی راحت محسوس ہو گی اور وہ ناگوار بو سے محفوظ رہیں گے۔ اور یوں وہ آپ سے محفوظ رہیں گے۔ ور آپ اس نکتہ پر ضرور غور کریں کہ اسلام کی منشا تو یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے پسینہ کی بو سے بھی اپنے ہم نشین کو اذیت نہ پہنچائے۔ اور جو شخص اپنے جسم کے بد بو سے لوگوں کو اذیت دے گا تو لوگ اس سے نفرت اور اس بدبو کی وجہ سے اس کی غیبت بھی کریں گے۔ اور یوں وہ لوگ معصیت خداوندی کے مرتکب ہوں گے۔

اس سلسہ میں اہل حکمت کا فرمان ہے کہ جو شخص اسباب غیبت سے پرہیز کرنے پر قدرت رکھنے کے باوجود بھی

برہیز نہ کرے تو وہ بھی اس معصیت میں شامل ہے ۔ کیونکہ وہ شخص اپنی غیبت کا خود موجب ہے ۔ جیسا کہ مشرکین کے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے اللہ تعالیٰ نے اس لیئے ممانعت فرمائی کہ مبادا مشرکین خداوند تعالیٰ کو ہی سب و شتم کرنے لگیں ۔ تو گویا اسلام نہیں چاہتا کہ کوئی مسلمان معبودان باطل کو گالیاں دے کر خداوند حقیقی کو سب و شتم کرانے کا موجب بنے ۔ تو اسی طرح سے اسلام یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص گندا رہ کر لوگوں کی غیبت کا سبب بنے ۔ اور جب آپ نماز جمعہ میں شرکت کریں تو خطبہ جمعہ کے مواعظ کو اپنے دل کی گہرائیوں میں جگہ دیں ۔ اور اوامر و نواہی پر عمل کرنے کی اپنی اندر استعداد پیدا کریں ۔

اسی لیئے دوران خطبہ گفتگو کرنے کو ممنوع قرار دیا گیا تاکہ سامعین پورے انہماک اور توجہ سے خطبہ سماعت کریں اور اس پر عمل پیرا ہو کر اپنی نجات کا سامان پیدا کریں ۔

آپ اپنے عمل سے یہ ثابت کریں کہ آپ نماز جمعہ کا مکمل حق ادا کر رہے ہیں تاکہ ملائکہ مقربین آپ کا نام اپنے دیوان میں درج کر کے دربار الہی میں اسے پیش کریں ۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جمعہ کے دن فرشتے سونے کے کاغذ اور چاندی کے قلم لے کر مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاتے ہیں اور سب سے پہلے داخل ہونے والے افراد کا نام اس دیوان میں تحریر کرتے ہیں اور اس دن جنت کی آرائش او زیبائش کی جاتی ہے اور جتنا جلدی کوئی نماز کے لیئے آتا ہے وہ اتنا جلدی جنت میں داخل ہوتا ہے ۔ فرشتے نمازیوں کے نام تحریر کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ امام آجائے جب امام آجائے تو صحیفوں کو لپیٹ دیا جاتا ہے ۔ اور قلم اٹھا لیے جاتے ہیں ۔ بعد ازاں فرشتے مل کر ذکر خداوندی کو سنتے ہیں ۔ لوگوں کی جنت میں منزلت کا دارومدار نماز جمعہ کی جلدی شرکت پر ہے ۔

لہذا جب یہ بات آپ کے ذہن نشین ہو جائے کہ فرشتے تمہارے ارد گرد بیٹھ کر ذکر خداوندی سن رہے ہیں اور اللہ تمہیں دیکھنے والا ہے ۔ تو اس سے آپ کے اندر خوف خدا کی ایک لہر پیدا ہونی چاہیئے ۔ اس سے آپ بحر رحمت

میں غواصی کے قابل ہو جائیں گے ۔ اور آپ کی نماز مقبول ہو گی ۔ اور دعائیں منظور ہوں گی ۔ اس دن زیادہ سے زیادہ ذکر الہی اور استغفار و دعا اور تلاوت قرآن کریں ۔ اور اس دن حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات بابرکات اور ان کی آل پر زیادہ سے زیادہ درود پڑھیں ۔ اور زیادہ صدقہ دیں ۔ کیونکہ یہ دن انتہائی مبارک ہے یہ دن فضل خداوندی کے نزول کا دن ہے ۔ یہ دن رحمت واسعہ کا دن ہے ۔ یاد رکھیں کہ "مبدا" کے فیاض ہونے میں کلام نہیں ہے اگر "محل" قابل ہو تو سعادت کی تکمیل ہو جاتی ہے اور آرزو پوری ہوتی ہے ۔ اور اس کے ساتھ یہ بات یاد رکھیں کہ جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی بھی ہوتی ہے جس میں اللہ تعالی مومن کی دعا کو رد نہیں کرتا ۔ کوشش کریں کہ آپ کا یہ دن استغفار و ذکر الہی میں صرف ہو جائے اور قانون خداوندی یہ ہے کہ اللہ تعالی ذکر کرنے والے کو سائل سے زیادہ عطا کرتا ہے ۔

ساعت قبولیت مخفی رکھنے کی وجہ

اگر آپ جمعہ کا پورا دن مسجد میں بسر کر سکتے ہوں تو ضرور کریں ورنہ نماز عصر تک مسجد میں ضرور گذاریں۔ ممکن ہے کہ آپ کو وہ ساعت نصیب ہو جائے جس کا حدیث شریف میں وعدہ کیا گیا ہے۔ مذکورہ ساعت کو اللہ تعالیٰ نے اس لیئے مبہم رکھا تاکہ خلق خدا اس گھڑی کی وجہ سے جمعہ کے پورے دن کو عبادت میں گذار سکے۔ اسی طرح سے لیلۃ القدر کو بھی ماہ رمضان کی طاق راتوں میں مخفی رکھا گیا تاکہ لوگوں کا شوق بحال رہے۔

ایک روایت ہے کہ قبولیت کی ساعت وہ گھڑی ہے جب امام خطبہ سے فارغ ہو جائے اور نمازی صفیں سیدھی کر رہے ہوں۔ اور جمعہ کے دن قبولیت کی ایک اور ساعت دن کے پچھلے پہر سے غروب آفتاب تک ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ روز جمعہ کو اپنی آخرت کے لیئے مخصوص کر لیں ممکن ہے کہ یہ دن ہفتہ کے پچھلے دنوں کی تلافی کا ذریعہ بن جائے۔

نماز جمعہ کی فضیلت کے لیئے یہ بات کافی ہے کہ قرآن و حدیث نے تصریح کی ہے کہ فرض نوافل سے افضل اور نماز دوسرے فرائض سے افضل ہے اور نماز یومیہ باقی نمازوں سے افضل ہے۔ اور نماز پنجگانہ میں "صلواۃ وسطیٰ" افضل ہے۔ اور قول مختار کے مطابق "صلواۃ وسطیٰ" سے مراد نماز ظہر ہے اور جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ نے نماز جمعہ کو ظہر کا قائم مقام بنایا ہے۔ اور نماز جمعہ کا پڑھنا نماز ظہر سے افضل ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ نماز جمعہ کا عبادات کی دنیا میں اپنا منفرد اور ممتاز مقام ہے۔

اس لیئے خداوند عالم نے نماز جمعہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا۔ ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ (اگر تم جانتے ہو تو یہ تمہارے لیئے بہتر ہے)

علاوہ ازیں نماز جمعہ میں سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقین پڑھنے کی تاکید وارد ہوئی ہے تاکہ نماز جمعہ کی اہمیت کو ذہن میں مستحضر رکھا جائے سورۃ جمعہ میں نماز جمعہ کو "ذکر اللہ" سے تعبیر کیا گیا اور سورۃ منافقین میں فرمان خداوندی ہے۔ یا

ایھا الذین امنو لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ و من یفعل ذلک فاولئک ھم الخاسرون۔

ترجمہ : اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو "ذکر اللہ" خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو ایسا کرے گا تو وہ لوگ گھاٹے میں رہیں گے۔ آپ ان دقائق پر غور کریں ممکن ہے کہ آپ فلاح پانے والوں میں سے بن جائیں۔

نمـــاز عـــیـــد

نماز عید ادا کرتے وقت ہمیشہ اس حقیقت کو مدنظر رکھنا چاہیئے کہ عید کا دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقسیم انعامات اور رحمتِ واسعہ کا دن ہے۔ لیکن یہ انعام اس کے لئے ہے جس نے ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھے ہوں۔

نماز عید کو کامل عاجزی اور خشوع سے ادا کریں اور ماہ صیام کا حق مکمل ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے اپنے دل میں ندامت و حیا محسوس کریں۔

عید صرف اسی مسلمان کے لیئے ہے جو وعید اور تہدید سے بچ جائے اور نیک اعمال کی وجہ سے ثواب مزید کا حق دار ثابت ہو۔

نماز عید کے لئے بھی نماز جمعہ کی طرح سے غسل کریں۔ صاف ستھرا لباس پہنیں اور خوشبو لگائیں۔ بعد ازاں پوری یکسوئی کے ساتھ خداوند عالم کے حضور نماز عید کے لیئے کھڑے ہو جائیں۔

عید کا دن انتہائی قبولیت کا دن ہے اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے نیک عمل قبول کرتا ہے اور دعاؤں کو شرفِ قبولیت عطا فرماتا ہے۔

لہذا عید کے دن کو صرف اچھے کھانے اور اچھے لباس تک محدود نہ رکھیں بلکہ اس دن کو انعامات الہی کے حصول کا ذریعہ بنائیں۔

نمـــــاز آیات

نماز آیات کے وقت آخرت کے ہولناک مناظر کا تصور کریں۔
بالخصوص قیامت کے شدید زلزلے اور سورج کے بے نور ہونے اور قیامت کی شدید گرمی اور مخلوق خدا کی پریشانی اور عرصہ محشر میں ان کی پیشی اور حسابِ آخرت کی سختی کو یاد کریں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کو بھی مدنظر رکھیں۔
اپنے تمام گناہوں کو یاد کر کے اللہ تعالی سے معافی مانگیں۔ اور پورے رجوع قلب اور خشوع و خضوع سے توبہ کریں ممکن ہے کہ اللہ تعالی آپ کی توبہ قبول کر کے اپنے خوش نصیب بندوں میں شامل فرما دے۔

نماز طواف

طواف کے وقت رب العالمین کی جلالت و کبریائی کا تصور کرتے ہوئے بیت اللہ کی جلالت کو ذہن نشین کریں اور یہ سمجھ لیں کہ آپ اس وقت بادشاہ مطلق اور مالک الملک کے حضور پیش ہو چکے ہیں۔

خداوند کریم اگرچہ ہر مقام پر موجود ہے اور تمام اعمال کا شاہد ہے لیکن بیت اللہ کو ایک خصوصی شرف حاصل ہے۔ اسی لیئے دوران طواف کسی طرح کی غفلت و کوتاہی سرزد نہیں ہونی چاہیئے۔

کیونکہ تخت سلطانی کے سامنے نافرمانی کرنے والے کے لیئے معافی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ارض مقدس میں نیکی کا ثواب دوگنا ہے۔ اور برائی کا عذاب بھی دوگنا ہے۔

دوران طواف انبیائے کرام کی تبلیغی مساعی کا بھی تصور کریں۔ بالخصوص جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانفشانی کو یاد کریں کہ انہوں نے کس طرح سے بے آب و گیاہ وادی میں اپنے لخت جگر اور زوجہ کو اللہ کے آسرے پر چھوڑا تھا اور پھر کتنے خلوص سے بیت اللہ کی تعمیر نو کی اور کس طرح سے لوگوں کو حج کے لیئے بلایا۔ اور کس طرح سے ایک بوڑھے باپ نے خدا کی محبت میں اپنے بیٹے کے گلے پر چھری رکھی۔ اور ان تمام مخلصانہ اعمال کے بدلہ میں خداوند عالم نے ان کا کس طرح سے ذکر خیر آئندہ نسلوں میں قائم رکھا اور انہیں انسانوں کا رہبر و رہنما قرار دیا۔

لہذا عظیم ہستیوں کے کردار کو اپنے لیئے مشعل حیات بنا کر ان کی پیروی کریں۔

لہٰذا ان تمام مساعی جمیلہ کا تصور نماز طواف سے پہلے کریں اور نماز طواف میں اپنے معبود سے محو مناجات ہو جائیں۔ اور ان مدارج سے ترقی کر کے عظیم معارج تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

نمــاز جنازہ

جب کبھی کسی جنازہ کو دیکھیں تو اس وقت یہ سوچنے کی زحمت ضرور کریں کہ مرنے والا بھی آپ کی طرح سے اہل و عیال والا تھا اور اس کے پاس بھی مال موجود تھا اب تمام چیزوں کو چھوڑ کر خالی ہاتھ اللہ کے حضور پیش ہو چکا ہے ۔ اب نہ تو قبر میں اس کا مال اس کے ساتھ ہو گا اور نہ ہی اس وحشت ناک مقام میں اس کی اولاد اس کی رفیق و مونس ہو گی ۔

قبر کے تاریک گڑھے میں صرف اس کے اعمال ہی اس کے ساتھی ہوں گے ۔ اس کے ساتھ ساتھ خدارا یہ بھی ضرور سوچیں کہ مرنے والا کتنا حسین و جمیل تھا لیکن موت سے اس کا حسن ختم ہو گیا اور اب وہی حسین چہرہ پیوند خاک ہو جائے گا جہاں حشرات الارض اسے کھائیں گے ۔ اور یہ بھی سوچیں کہ مرنے والا اپنی حسین بیوی کو سوگوار چھوڑ کر ملک عدم کی طرف چل پڑا اور اپنی اولاد کو یتیم بنا کر شہر خموشاں کا راہی بن گیا ۔

مرنے والا قوت و شباب کا بھی مالک تھا لیکن موت نے اس کی تمام تر قوت و جوانی کو خاک میں ملا دیا ۔ جو پہلے جنازوں کی مشایعت کیا کرتا تھا آج خود اس کا جنازہ لوگوں کے کندھوں پر ہے ۔ جو پہلے فصیح اللسان تھا آج اسے موت نے گونگا بنا دیا ہے ۔ جس کے آبدار دانتوں کی مسکراہٹ محفلوں کی زینت تھی آج اس کے وہ دانت تو موجود ہیں لیکن مسکراہٹ غائب ہو گئی ہے ۔ جو سالوں کا سامان ذخیرہ کیئے ہوئے تھا آج تاریک قبر کا مہمان بن رہ گیا ہے ۔ اور جسے موت کا وہم و گمان تک نہ تھا وہ خدائے جبار کی ندا کے سامنے کس طرح سرنگوں ہو کر موت کی وادی میں گم ہو گیا ہے ۔

لہذا کسی کے جنازے کو دیکھ کر اپنے مرنے کا بھی تصور کریں اور یہی وجہ ہے کہ کسی کو موت کی خبر سن کر انا للہ و انا الیہ راجعون (ہم خدا کے ہیں اور ہمارا رجوع اسی کی طرف ہے) پڑھنے کا حکم دیا گیا ۔ تاکہ اس کی موت ہمارے لیئے درسِ عبرت و موعظت بن سکے ۔

اسی لیئے موت سے پہلے زندگی کو غنیمت جانیں اور اسی فانی جہان میں رہتے ہوئے عالم عقبیٰ کا زاد راہ اکٹھا کریں ۔ کیونکہ مسافت دور ہے اور خطرہ شدید ہے اور موت کے بعد ندامت فائدہ مند نہیں ہے ۔ انسان کو موت سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے ۔ اور اپنی امیدوں اور آرزوؤں کو کم سے کم رکھنا چاہیئے ۔ اور نیک اعمال کی بجاآوری میں مشغول ہو جانا چاہیئے ۔ لیکن یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ تمام غور و فکر نماز جنازہ سے پہلے کرنا چاہیئے ۔

نماز نذر و عہد وغیرہ

ان نمازوں کو انتہائی خلوص سے ادا کرنا چاہیے ۔ کیونکہ انسان اللہ سے اس نماز کا عہد و پیمان کر چکا ہوتا ہے ۔ اور نماز نذر و عہد کو یہ سمجھ کر کبھی بھی ترک نہ کرنا چاہیئے کہ مذکورہ نماز فرض نہیں ہے ۔ گویہ نماز فرض نہ بھی ہو تو بھی عظمت و جلالت کردگاری کی آئینہ دار ہے ۔

انسان اپنے دل میں اس بات کا تصور کرے کہ مثلاً وہ کسی بادشاہ سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس بات کا تصور کرے کہ وہ اس کے سامنے فلاں عمل کرے گا تو اب وہ اس کے سامنے اس عمل کو کس قدر خوبصورتی اور انہماک سے سر انجام دے گا ۔ جب انسان ایک عام فانی بادشاہ کے ساتھ کیئے ہوئے عہد کی اتنی پابندی کرتا ہے تو اس نے جو عہد بادشاہوں کے بادشاہ اور مالک کائنات سے کیا تھا اسی کی ادائیگی کس قدر لازمی ہوگی ۔

انسان کو چاہیئے کہ خدا سے کیئے ہوئے عہد کو ایک فانی انسان سے کیئے گئے عہد سے تو کم نہ جانے ۔ اور ایسا سمجھنے والا یقیناً منافق ہے اور اسمیں شرک کی رگ باقی ہے ۔ اسی طرح سے تمام نمازوں کو انتہائی اقبال قلب سے ادا کرنا چاہیئے اور ہر نماز کو مکمل آداب و شرائط سے پڑھنا چاہیئے ۔ اور ہماری معروضات تک ہی اپنی فکر کو محدود نہیں رکھنا چاہیئے ۔ بلکہ ان معارف کی طرف قدم بقدم ترقی کرنی چاہیئے جن کا انکشاف حضرت حق سبحانہ کی طرف سے ہوتا رہتا ہے کیونکہ فیض کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور جود وسخا کے نور ہر شخص کی استعداد کے مطابق اس پر جلوہ فگن ہوتے رہتے ہیں ۔

آخر میں ہم اپنے رسالہ کا اختتام اس دعا پر کرتے ہیں کہ خداوند عالم ہمیں اور آپ کو تحصیل اسرار کی توفیق عطا فرمائے ۔ اور ہمیں اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے اور ہمیں اپنی رضا و رحمت کی رہنمائی فرمائے اور ہم گناہ گاروں کے ساتھ اپنے عفووکرم اور مغفرت کا معاملہ فرمائے اور ہمیں اپنے ناقص علم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس کو ہمارے لیئے صدقہ جاریہ قرار دے اور ہمیں اس کے ثواب میں

شریک فرمائے۔

یقیناً یہ سب کچھ اسی کی توفیق سے ممکن ہوا اور اسی کے رضا کے لیئے لکھا گیا۔

هو حسبنا و نعم الوكيل۔

فرغ من تسو لفها شيخ الاسلام اعلم حكماء العالم قدوة المتقين اكمل الفضلاء المتقدمين و اعلم العلماء المتاخرين رئيس الفقها و المتكلمين زين الملة و الحق والدين الزاهد العابد الشيخ زين الدين بن على بن احمد الشامى العاملى قدس الله روحه و نور ضريحه بحق الحق و النبى المطلق

آمين يارب العالمين فى ٩ ذى الحجة سنة ٩٥١ ھ

و قد فرغت من ترجمته فى شهر شوال سنة ١٣١٥ ھ

وانا الا ثم الجانى محمد حسن الجعفرى ابن تكيه خان المتوطن بقرية بندوآنى بمحافظة ديره غازيخان۔

عفا الله عنه و عن والديه وجعل مستقبله خيرا من ماضيه

ع۔ رحم الله من قال امينا۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم و تب علينا انک انت التواب الرحيم۔

بجاه محمد و اهل بيته الطاهرين

اللهم صل على محمد وال محمد